

جماعت اسلامی کی مساجد سرگرمیاں

۱۰ اکتوبر
۳۸
۱۹۶۸
قیمت: ۵۰ پیسے
پرائیڈنگ: ۵ پیسے

ہفت روزہ
فتح
کراچی

صادقین — تازہ ترین شاہکار

اندرا ملاحظہ کیجئے

جانار کے قدم جوم کے آہنیچے ہیں
ہم چاروں طرف ظلم کے آہنیچے ہیں
غائب ہے کہ ہر ہم مقتول جتلاؤ
لہراتے ہوئے جھوم کے آہنیچے ہیں

معیار پہ دل اپنا پرکھ کر لائے
جو عشق کی لذت ہے وہ چکھ کر لائے
مقتل میں وہ جتلاؤ نے بغلیں جھانکیں
ہم سر کو تھیلی پہ جو رکھ کر لائے

خود کو کے تھیلی پہ جو تر لایا ہوں
نہرے کا پھر رہا ہوں کہ لہرایا ہوں
محبوب کے تھیلے میں جیسے پہنچا
اُس شان سے قتل کی طرف آیا ہوں

ہم ہر کرم حسن جو بے حد ہوگا
پر نور اگر عکاسِ آسمان ہوگا
گردنِ نعلی اس کی سزا ہے تو کیا
ہم سے یہ گناہ عشق ترزد ہوگا



ٹیلی ویژن کے اجہ انداز سے ہوشیار ❀ امریکی سی آئی اے کے مقابلے میں روسی کے جی بی

غزل

کبھی تو یاد تری دادِ نارسائی دے
کہیں تو ذہن سے باہر مجھے دکھائی دے
میں تھک گیا ہوں تری خامشی کے افسوں سے
سکوتِ خلوتِ جاں میں مجھے سنائی دے
کوئی گلہ، کوئی دشنام، کوئی سنگِ ستم
کوئی صلہ، کوئی انعام آشنائی دے
تجھے میں اپنی تمنا سے کرچکا آزاد
مجھے بھی اپنے تصور سے اب ہائی دے
وہ کرب، ہجر و تمنا میں کیوں گنوائے عمر
غورِ حسن جسے نازِ کجسریائی دے
اٹھائیں مشردۂ تکمیلِ آرزو کا سوال
پھر اس کے بعد جو غم تری کج ادائی دے
سحر یہ کیا ہو س خندہ زن ہو جذبوں پر
لہو کو طعنہ و دشنام رو شنائی دے

جنگ میں عوام کو شریک کیجئے

جنگ ہونے والی ہے

جنگ کا کوئی امکان نہیں

جماعت اسلامی کامیاب فیصلہ گروپ جو اپنے طور پر سرکاری ترجمان بنا ہوا ہے اور لوگوں کی رہنمائی کے لیے کام کر رہا ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں جماعت اسلامی اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے اُبھرے گی۔ جنگ کا بیجوت سوار کرنے میں پیش پیش ہے۔ اس کی آڑ میں فرائع پیداوار اور آمدنی پر قابض مٹھی بھرا جا رہا ہے۔ داروں نے ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری کی رفتار پہلے سے کئی گنا تیز کر دی ہے۔ بے روزگاری کی شرح آسلا سے باتیں کرنے لگی ہے اور مزدوروں اور کسانوں پر سختیاں کہیں زیادہ ہو گئی ہیں۔

اس عالم میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئر مین مشر زبیر نے۔ مجھ کو خیال ظاہر کیا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کا کوئی امکان نہیں۔ مشر مجھ کو خیال قرین تیس ہے آج کے دور میں جنگ معمولی بات نہیں۔ بھارت اور پاکستان اب تک ۱۹۶۵ء کی جنگ کے اثرات سے فٹ رہے ہیں۔ دوبارہ جنگ مزید تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حملہ آور بھارت عالمی جنگ کو دعوت دے کہ عوام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہو۔

جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے حالت جنگ میں رہے ہیں۔ مکران
طبقہ اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے
اہل ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انہیں مزید طاقتور بنایا جائے۔ پہلا مرحلہ جمہوریت
کی بحالی ہونا چاہیے۔ اقتدار عوام کے پارلیمانی نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے اور
افواج کو سول امور سے بالکل خارج کر دیا جائے۔ پارلیمان میں بیٹھنے والے عوام کو
اندرونی دشمنی یعنی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے نجات دلائیں۔ نوکر شاہی کو گام
دیں اور تجارت کو پھلنے سے پہلے ملک دشمن اور عوام دشمن طاقتوں کو کفر کردار تک پہنچائیں۔
ایک بار عوام پر یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ملک اُن کا ہے۔ ۱۹۶۵ء
کی جنگ میں فوج میں مزدوروں اور کسانوں کے بیٹوں اور شہری محاذ پر مظلوم طبقہ
نے جو قربانیاں دیں وہ تاریخی اور مثالی ہیں۔ اس کے بعد جاگیرداروں اور نوکر شاہی
نے انہی عوام پر جو ظلم و تشدد روا رکھا، وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ یوں معلوم
ہوتا تھا کہ یہ سلوک اپنے ہم وطنوں سے نہیں بلکہ دشمنوں سے کیا جا رہا ہے۔

ان حالات میں عوام کو اعتماد میں نہ لیا گیا تو خاکم بدن ہم سرخرو نہ ہوں گے۔ سوچئے کہ کون ہے جو اپنے دشمن کو زندہ رکھنے کے لئے اپنا خون نچھادر کرے گا۔

صرت وطن اور اپنے وطن کو بچانے کے لئے ہی جان عزیز کا نذرانہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور وطن کو بچانے کا مقصد بارہ کروڑ عوام کو بچانا ہے۔ چند مٹی بھر اڑاؤ کے کارخانوں دولت اور وقار کو بچانا نہیں ہے۔ اس وقت ملک اقتصادی مشکلات سے دوچار ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ تمام صنعتکاروں اور زمینداروں سے جبری ٹیکس وصول کرے تاکہ ملک میں مہنگائی کو روکا جاسکے اور عوام پر اتنا بوجھ نہ پڑے جتنا کہ اقتصادی پریشانیوں جذبات میں حاصل ہو گیا۔

نگار خانہ

شکست صدیقی

محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونتیں خصوصی

ابراہیم طہس، افضل صدیقی عبدالحمد جھابرا

مجلس ادارت

وہاب صدیقی - نعیم آروی

三

آرٹ لیڈیٹر

غلام نبی بزمی

عكاس : — الطاف راننا

جدلی شترک
نی پرچہ سالانہ
۵۰ پیسے ۲۵ روپے
۵۰ پیسے ۳۰ روپے
۱۲ روپے
۱۶ روپے
بحرین کویت :- ۶۰ غلے دینی تھو :- ۵۰ دسم
صحری عرب :- ۱۵۰ غلے دینی تھو :- ۶۰ دسم

مقام اشاعت

جہنت روزہ الفتح ۴۴ ذی القعدہ ۱۲۸۱ھ
 ۱۹- ۱۸- ۱۷- ۱۶- ۱۵- ۱۴- ۱۳- ۱۲- ۱۱- ۱۰- ۹- ۸- ۷- ۶- ۵- ۴- ۳- ۲- ۱

لیکھو پلشتہ ارشاد راو

مطبع حققی آفست پریس، بیاضت آباد - کراچی

سے مقابلے کرنا ہوتا جو گرپ اے میں پیمان سے
یہ فائنل یا فائنل میں رہن پڑا۔

انتخاب کے گزشتہ سالوں میں قومی ٹیم کے
انتخابات کے سلسلے میں پاکستان کی فٹڈریشن کی
اوپروری اور دوست فوٹڈر کا ذکر کیا جا چکا ہے
جب ہماری ماضیت کی طاقت ختم ہوئی ہوگی
تو ریاض الدین کی کی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی۔

میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ ریاض الدین کے
ساتھ آٹھ مچولی اور بی جی کے کھیل بند کیا جائے
ریاض کو تو کوئی نقصان نہیں ہوا نقصان تو
قوم کو ہوا، جس کا وقار خاک میں مل گیا اور ایسے
وقت میں جب کہ یہی اپنا وقار قائم رکھنے کی شدید
ضرورت تھی۔ برطانیہ میں ہم نے کرکٹ سیریز
باری تھران میں ہماری بالکسٹک کے میدان
میں غفلت زمین پر آ رہی اور اب ہماری ٹیم کی
آخری سالہ بھی خطرے میں ہے یہ سب کچھ چار
بیسے میں ہوا ہے۔

یہ ہیں کی ہو گیا ہے؟

آج پاکستان کا ہر کھیلاری اور کھیل سے
دلچسپی رکھنے والا ہر پاکستانی اس امر کو رنج کی
گہرائیوں کے ساتھ محسوس کر رہا ہے؟

انکائیوں بدنامیوں اور مایوسیوں کا یہ سلسلہ
اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کھیل کے
ڈیڑیوں کو سخت ترین سزا نہ دی جائے کیونکہ
ان ڈیڑیوں کی کھیل کی تخیلوں پر ہمیں برس سے
زیادہ طویل عرصہ سے اجارہ داری چلا آ رہی ہے
ایزب خان کی طرح ان کے اقتدار کے عشرے بھی
انجام کو پہنچنے چاہئیں۔

ضروری تصحیح

اسی شمارہ میں صفحہ ۱۱ پر ایران کے عوام کی چاہتے
ہیں کہ کے عنوان سے مضمون میں سہواً لکھا گیا کہ ڈاکٹر
مصدق کو قتل کر دیا گیا۔ حقیقتاً ڈاکٹر مصدق کو محرمی اقتدار
کے پابند سلاسل کو دیا گیا۔ کئی برسوں کے بعد دیا گیا گیا اور
پھر عرصہ کے بعد طبی موت مر گئے۔ قارئین کرام تصحیح کر لیں۔
ادارہ اس ہو کے لئے معذرت خواہ ہے۔

کھیل کے ڈیڑے — ہمیں لے ڈوبے

لطائف علی صدیقی

کر کے شکست بھی کھالی۔

گرپ پی میں یہ پاکستان کا آخری میچ تھا۔
اور پاکستان نصف پانچ پوائنٹ حاصل کئے تھے
ہماری ٹیم کا بدترین ریکارڈ تھا کہ چار میچوں میں
صرف آٹھ گول کئے۔

آج وہ اکثر سب کو صورت حال یہ ہے کہ
کوئی معجزہ ہی پاکستان کو پھر کھیل کے میدان میں
لا سکتا ہے ورنہ ہم مقابلے سے باہر جا چکے ہیں لیکن
نے پاکستان کو شکست دینے کے بعد پانچ پوائنٹ
حاصل کر لئے ہیں جب کہ ایک اور میچ کھیلنا ہے۔
وہ ہم سے پہلے ہی بہتر حیثیت میں ہیں کیونکہ ان کے
پوائنٹ بارے مساوی ہیں لیکن گوروں کی اوسا
زیادہ اچھی ہے اس لئے اسپین سے فائنل میں چلا جائے
گا۔ بی گروپ کی ایک اور ٹیم کے بھی فائنل میں چلے
جانے کا موقع ہے ہالینڈ نے آسٹریا کو سہا کر چار
پوائنٹ حاصل کر لئے ہیں اور اسے بھی ایک اور میچ
کھیلنا ہے۔ اس کا آخری میچ کرور جاپان کے
مقابلے میں ہوگا۔ اگر وہ جیت گیا تو وہی فائنل
میں جانے والی دوسری ٹیم ہوگی۔ اگر وہ برابر ہی
تو اس کے پوائنٹ بڑھ کر پانچ ہو جائیں گے۔ ہالینڈ
کی گوروں کی اوسا ہم سے بہتر ہے اور اس طرح اسے
پاکستان پر برتری حاصل ہوگی۔

پاکستان میں فائنل میں اسی صورت میں پہنچ
سکتا ہے۔ جب جاپان ہالینڈ کو ہرا دے، لیکن یہ
تقریباً ناممکن ہے۔

سوائے ہلہ یہ حال ہے ہم عالمی چیمپئن ہیں لیکن
ہم ہالینڈ اور اسپین کو شکست دینے میں ناکام
رہے ہیں حالانکہ آگے اس سے زیادہ بہت طلب
مقابلے تھے کیونکہ اسے بھارت اور مغربی جرمنی

میدانے، آج پھر نہایت دکھ کے ساتھ
ہاکی اور اس کی متعصبانہ انتخاب کے بارے میں تلم
اظہار ہوں۔ اس مرتبہ دکھانی شدت کو پہنچ چکا
ہے اور زخم مندمل ہونے والے نہیں لگتے۔

میں نے جیسا کہ اپنے گزشتہ کالم میں لکھا تھا
کہ میں اپنی قومی ٹیم کی کامیابی کے لئے دعا کرنی
چاہتی تھیں اب کہ میں وہاں بھی شکست سے نہیں
پچاسکی۔ ہماری ٹیم کے کھیل کا آغاز آسٹریا کے
خلاف بڑی مشکل سے دو گول کی کامیابی سے ہوا
پھر بھی تشویش کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ ہم نے
آسٹریا کے خلاف پانچ گول کئے تھے اور اس طرح
مکسیکو اور ایک میں تقریبی نصف جیتنے والی ٹیم کے
خلاف کے دو گراں قدر پوائنٹ حاصل کر لئے تھے
دوسرا میچ ہم نے مشکل سے جیتا رہ جاپان کے
خلاف تھا جسے ہم نے صرف ایک گول سے ہرایا۔
فل یک تو ریڈا جس نے آسٹریا کے خلاف پہلے
میچ میں تین گول کئے تھے۔ دوسرے میچ میں
بھی اس نے گول کیا۔

اصل مصیبت اس وقت آئی جب تیسرے
میچ میں ہالینڈ کے خلاف ہماری ٹیم کو کھیلنا پڑا
ہو گیا۔ یہ وہی ہالینڈ تھا۔ جسے ۱۹۶۸ کے گزشتہ
عالمی کھیلوں میں ہم نے ۶ کے مقابلے میں مصفر سے
ہرایا تھا۔ اب ہالینڈ نے ہمارے خلاف پہلا گول
کیا۔ یہ پھر تو ریڈا تھے جنہوں نے پھر ایک مشت
ہالینڈ کے خلاف تین کے مقابلے میں گول کر کے
میچ برابر کر لیا پھر آگے دن اس ماضیت پر عبور
ہم نے اسپین کے تین گولوں کے مقابلے میں دو گول

ہوئے نائنڈس۔ اس وقت حالات کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔
گئے جب ملک حالت جنگ میں ہو گا۔ ۱۹۶۵ء میں کیا
منتخب حکومت (جیسی کسی بھی تھی) کو معزول کر کے خالص
فوجی حکومت لائی گئی تھی۔ برطانیہ روس اور امریکہ نے
جیکس لڑی ہیں۔ وہاں تو منتخب حکومتیں ہی موجود تھیں۔
انہوں نے جنگ کا سامنا جنگ کے بعد حالات کا بھی سامنا
کیا۔ سرحدوں کی حفاظت تو بہر حال فوج ہی کرتی ہے۔ لیکن
اندکے انتظامی حالات تو عوامی نمائندے ہی سنبھالتے ہیں
دوسری دفاعی لائن عوام ہی ہوتے ہیں۔ عوام اور فوجی حکومت
کا براہ راست کوئی رابطہ نہیں ہو سکتا۔

ہم یہ باتیں اس لئے کہہ رہے ہیں کہ جنگ کا خطرہ
انتقال اقتدار کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اور نہ بننا



سیرسانک ۲۰ سی

سے نیست و نابود ہو جاتی ہیں

بحالی جمہوریت کی راہ نہیں روک سکتا

محبود شام

”ایک دکاندار کہتا ہے: ”اللہ میاں اپنی محنت (موت)
کی خاطر پاکستان کو چھلار رہا ہے“

”ایک صاحب کہتے ہیں: آپس میں احییت جو نہیں
کا خاصہ تھی، اب دیہات میں بھی جا پہنچی ہے۔ اقتصادی
پریشانیوں سے مجبور لوگ اب دوسروں کے دکھ درد
شانے کی بجائے ایک دوسرے سے کھینچنے لگے ہیں۔“

”بچے پوچھتے ہیں: ابو حالات کتنے سال تک بھی ٹھیک
ہو جائیں گے کہ نہیں؟“

ایک ٹیکسی والا کہتا ہے: خبر تہیں بڑ بھارت کو کل
دو کی چٹ کون لگا گیا ہے، اس وقت تو جنگ سے اور
گھبراہٹ ہو جائے گی۔“

”ایک صاحب نے کہا میرے بھائی فوج میں کپٹن
ہیں۔ وہ کسی محاذ پر چلے گئے ہیں، پچھلی جنگ میں ایک بھائی
لیفٹیننٹ تھا، وہ شہید ہو گیا، لیکن ملک اور قوم کو کیا فائدہ
ہوا، یوں لگتا ہے جیسے ہم کسوں اور مزدوروں کے بیٹے
کپٹن اور سیر، اس لئے اپنے خون کا نذرانہ دیتے ہیں کہ جیناؤ
اور سیٹھ کی دوسری اور عیاشی قائم رہے۔ اس وقت بھی ان کی
جیانتی کا یہی عالم تھا، اب بھی یہی عالم ہے کیا ہمارے بیٹے
صرف ان کی رنگ رلیوں کے تحفظ کے لئے جان دیتے ہیں؟“

آج کل مجھے اپنے ارد گرد یہ آوازیں سنائی دیتی ہیں۔
ملی خون کے آنسو روتا ہے، بعض لوگ اب ان سیاست دانوں
کے نام بھی عقیدت سے لینے لگے ہیں، جنہوں نے قیام پاکستان
کی مخالفت کی تھی، ۲۳ برس ہم پر مستطربتے والوں نے جو
غلطیاں کی ہیں، ان کے اثرات میں اب بعض لوگ یہ بھی
سوچنے لگے ہیں کہ برصغیر کی تقسیم غلط ہوئی تھی۔

بہر سب کچھ کیا ہے، یہ ناقابل معافی اغلاط کا درجہ ہے۔
جو میری نسل کو ملا ہے۔ آج تک ہم پر جو لوگ بھی مستطربے
ہیں، انہوں نے حالات کو اس قوت تک پہنچا دیا ہے۔ کہ
لوگ اس کے وجود کے بارے میں بھی ہم میں مبتلا ہو گئے ہیں
ایک قوم کے لئے اس سے زیادہ خطرناک صورت حال اور
کیا ہو سکتی ہے۔

اس وقت حالات یہ ہیں کہ گذشتہ بیسٹھ صد ملکیت
نے اپنی نشری تقریر کے تین چوتھائی حصے میں بھارت کی
طرف سے جارحیت اور جنگ کے خطرات کا اور ایک
تہائی سے کم میں اپنے انتقال اقتدار کے منصوبے کا ذکر کیا
ہے۔ لیکن اب جو قضا ہے، اس میں جنگ کا شور
شاہکار ہے، انتقال اقتدار یا سماجی جمہوریت کی بات
صرف مٹھ بھڑو کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ
جنگ کا کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ اتنا بڑا بیان کسی اعتماد کے
بغیر نہیں دے سکتے ہیں۔

خیر اس سے کوئی غرض نہیں کہ جنگ ہوتی ہے یا
نہیں۔ انتقال اقتدار یا سماجی جمہوریت پر حال لازمی امر ہے
یہ خیالی دہنوں میں کیوں سا گیا ہے کہ عوام کے منتخب کئے

حبیب الرحمن کو بیگناہ کہنا کیا توہینِ عدالت نہیں ہے

چاہیے۔ جب مشرقی پاکستان۔ جہاں جنگ کے سے حالات ہیں وہاں سولی حکومت اور وہ بھی غیر نامزدہ قائم کی جاسکتی ہے۔

تو پورے ملک اور مغربی پاکستان میں۔ جنگ کا خطرہ۔ عوامی حکومت کے قیام میں رکاوٹ کیوں بنے۔؟

اس وقت جو طاقتیں۔ بحالیِ جمہوریت کی مخالفت

کر رہی ہیں۔ ان میں جماعت اسلامی پٹنہ پیش ہے۔ جماعت

اسلامی کے سرانگم کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، جماعت اسلامی

نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ وہ عوام کی تحریک تھی

مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی ہمیشہ عوام دوست

طاقتوں کی مخالفت رہی ہے۔ جب عوامی لیگ نے الیکشن میں

جیتنے کے بعد بائیس ہزار کے رہنماؤں اور کارکنوں سے انتظام

لیجے کا منصوبہ بنایا تو جماعت اسلامی۔ عوامی لیگ کی حریت

میں نکل آئی۔ جماعت اسلامی کے مشرقی پاکستان کے امیر

پروفیسر غلام اعظم۔ حبیب الرحمن کو اقتدار کی العوز سوچنے

کا مطالبہ کرتے لگے۔ صدر مملکت نے ۲۶ مارچ کو حبیب الرحمن

کو عہدہ اور عوامی لیگ کو پاکستان کے خلاف جنگ کر رہے کے

الزام میں ملوث ہونے پر مصلحت قانون قرار دیا، مغربی

پاکستان کی جماعت اسلامی نے فوراً اس اعلان کا جواب دیا

کیا جماعت اسلامی کے اخبارات حبیب الرحمن کی سازش کی

تاریخ بیان کرتے لگے حکومت کی طرف سے عوامی لیگ کی

طرف سے تیرہ لاکھوں کے کشت و خون کے واقعات سمجھنے

پر پابندی لگنی مگر جماعت اسلامی کے سرکاری ترجمان ایشیا

اور عوامی اخبارات زندگی، تجارت اور نوائے وقت وغیرہ

یہ عوامی واقعات بیان کرتے لگے عوامی لیگ کے کارکن قوی و

صوبائی اسمبلی کو غنڈے، قاتل، جرم، نفاق اور لیڈر کے کہا گیا۔

حبیب الرحمن کو کئی برس سے غداری کی سازشوں میں ملوث

ثابت کیا گیا لیکن مشرقی پاکستان جماعت اسلامی کے امیر

پروفیسر غلام اعظم کو مغربی پاکستان جماعت اسلامی سے اس

سلسلے میں اتفاق نہیں تھا۔ انہوں نے صدر مملکت سے ملاقات

کے بعد چند ماہ پہلے اعلان کیا کہ حبیب الرحمن نہیں بلکہ جرم

بھاشانی اور عوامی لیگ اور پروفیسر مظفر احمد ہیں۔ اس بات

کا کوئی ٹوٹ نہیں لبا گیا۔ اب پٹنہ پارٹی کا وہ مشرقی

پاکستان میں پہنچا تو پروفیسر غلام اعظم کو بیگناہ کا دورہ پڑ گیا

اور انہوں نے کہا کہ۔

موجودہ واقعات مٹھکھو کے پیدا کردہ ہیں۔ انہیں

ایسا وہ بیانیہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

ایک تازہ بیان میں انہوں نے کہا ہے۔

موجودہ واقعات کے ذمہ دار وہ ہیں جو انتخابات کی

جگہ سے ملے جو جہد پر یقین رکھتے تھے۔ ان میں مولانا بھاشانی

پروفیسر مظفر احمد اور عوامی لیگ ہیں۔

دوسری ذمہ دار شخصیت مٹھکھو اور ان کی پارٹی ہے

اگر ان کی پارٹی ترقی پسند ہے تو انہیں اپنا وفد مٹھکھو بھیجنا چاہیے

کیونکہ تمام ترقی پسند وہیں بیٹھے ہیں۔

حبیب الرحمن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ

نامعاقبت اندیشی کا شکار ہوئے اور کاغذ عوامی لیگ کے

سربراہ نے کئی آزادی کا اعلان نہیں کیا اور یہی تحریک چلائی

پروفیسر غلام اعظم جب یہ خیالی باتیں کرتے ہیں

تو یہ ہیں اس کے دور پر وہ عقائد سمجھ میں آتے ہیں

لیکن ہم تو اپنی فوجی حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں

کہ سب سے ذمہ دار شخصیت اور سچے مارشل لا

ایڈمنسٹریٹر اپنی تقریروں میں بار بار ایک شخص

کو مذکور پاکستان کے غلامات جنگ لڑنے کا موجب

قرار دے چکے ہیں۔ عوامی لیگ پر وہ الزام لگا چکے

کچھ طاقتیں مشرقی پاکستان

کی طرح مغربی پاکستان اور

مرکز میں بھی امن کمیٹیوں کے

ذریعے حکومت کرنا چاہتی ہیں

ہیں کہ اس نے مسلح بغاوت کی لاکھوں بے گناہ افراد

کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس شخص پر عدالت میں

مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ ایک صاحب کھلے بندوں یہ

بیانات دے رہے ہیں ان کے بیانات کا کوئی

نوٹس نہیں لیا جا رہا تو یہ عدالت کا ارتکاب ہو

رہا ہے۔ اس پر بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اگر بیاد شل صفر

خان حبیب کے بوڑھے باپ اور قریب المرگ ماں

سے لے لیتے ہیں بچے کے سر پر ہاتھ پیر دیتے ہیں تو

مشرقی پاکستان میں ان کے بیانات پر پابندی

عائد کر دی جاتی ہے۔ غلام اعظم بیت المقدس کی

پر عیسویوں پر کھڑے ہو کر لغو لگاتے ہیں کہ حبیب

غدار نہیں تھا۔ تو کچھ نہیں ہوتا۔

ہم پوچھتے ہیں اگر یہ سب کچھ نہیں تھا تو صدر

مملکت بار بار ایسا کیوں کہتے رہے۔ اور وہ کون

لوگ ہیں جو غلام اعظم جیسے لوگوں کو یہ بیانات دینے

کا شہ دے رہے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ پروفیسر غلام اعظم کو یہ

کو عزت اس لئے ہو رہی ہے کہ الیکشن ہارنے کے

باوجود مشرقی پاکستان کی کامیابی میں ان کے دوڑنا

آگے ہیں۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کے

بقول مشرقی پاکستان میں ایسا تاثر پھیلنے کی بجائے

دیواری ہے کہ میجر جنرل راؤ زمان علی جیسے

ذمہ دار لوگ جماعت اسلامی کے لئے استعمال ہو رہے

ہیں (ii) جماعت اسلامی کے کارکنوں کو فوج

کی تحویل میں شامل رہنا کاروں کی صورت میں

بھی اسٹبل گیا ہے اور اس کے علاوہ ان کی اپنی

مسلح تنظیم مایدر کو بھی اسٹبل کیا ہے۔ اب جماعت

اسلامی کے پاس مسلح افراد کی بہت بڑی تعداد

موجود ہے (iii) مغربی پاکستان میں بھی اقتدار

مطلوبہ، اور مشرقی پاکستان میں لبرلائیشن جیتنے

اقتدار مل گیا۔ (iv) پروفیسر غلام اعظم کو یہ بیانات

دینے نہیں پڑے۔ بلکہ موت و دستخط کرنے پڑے

رہے ہیں (v) پورہ کرسی جس نے پہلے حبیب الرحمن

کا سہارا لیا اب پروفیسر غلام اعظم کا محبر تراش

رہی ہے۔

جماعت اسلامی کا یہ زعم اپنی جگہ مگر اس

کی مسلح سرگرمیوں سے خود داییں بازو کی جاغیں

بھی خوفزدہ ہیں میں نے ذاتی طور پر خواجہ فیض الدین

کو سنل مسلم لیگ، نوزال امین، دپنی ڈی پی، اسفر

خان و تحریک استقلال، ملک قاسم کوٹلہ لیگ

کی زبانی سنا ہے کہ جماعت اسلامی کے رہنما کاران

کی پارٹیوں کے کارکنوں کو ہلاک کر رہے ہیں بائیں

بازو کے کارکنوں کی ہلاکت کا اعتراف خود جماعت

اسلامی دے کر چکے ہیں پروفیسر غلام اعظم خود

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں

برہمن زادوں کو بیچا ہوا پانی واپس لو

سامع

سنو آواز آرہی ہے
دھرتی اس ہے
دھرتی تصویر یاس ہے
دھرتی لب بہ فریاد ہے

میں پیاسی ہوں
میں تڑپ رہی ہوں
میں سوکھ رہی ہوں

میرے دشت و دمن، میرا تین، میرا من، خزاؤں
سے لرزیدہ ہیں
سنو! دھرتی کی آواز سنو!
دھرتی کہہ رہی ہے
مجھے پانی دو۔ مجھے پانی دو۔
مجھے نم دو۔ مجھے نم دو۔
میری زرخیز یوں کی خاطر
میری آبادیوں کی خاطر
میری بہاروں کی خاطر
سنو! میری سدا سہاگن دھرتی، میری کرمان والی دھرتی
میری جاگاہوں والی دھرتی۔ لب بہ دعا ہے کہ،
میرا سہاگ و ہاگ ہے۔

میرے گرم کرم ہیں
میرے جھاگ جھاگ رہیں
میری آبادیاں آباد رہیں
میری بہاریں سدا بہار رہیں
کہ میری خام میں بڑی ہی زرخیزی ہے۔

میری زرخیز یوں سے میرے بیٹوں کا کھڑا ہوتا ہے
ہوا ہے، "سنو لایا ہوا ہے۔ سنو لایا ہوا ہے
دھرتی کے بیٹوں کے کھڑے سدا کھاتے رہیں،
اجلا تے رہیں۔ سنو لاتے رہیں، لیکن دھرتی تو پانی
کے لئے کی آس نکالتی ہے

تصویر یاس بنی بیٹھی ہے
پانی کہاں گیا۔

پانی، پانی پانی کیوں ہو گیا۔
پانی تو رواں دواں تھا
پانی تو فزواں تھا۔
پانی تو بے پیاں تھا۔

پانی تو دھرتی کے ماتھے کی مانگ کا سینہ دھرتی،
نور تھا۔

یہ پانی کیا ب کیوں ہو گیا۔ یہ پانی پیا ب کیوں ہو گیا۔
اس کی روانیوں کو کیا ہوا
سنو! خشک ہوتے دیاؤں کی آواز سنو!

۲۳ برس پہلے جب اس دھرتی کے اجارہ داروں،
لڈن اور واہ کے سامریوں نے برہمن زادوں کے
ہاتھوں ہماری روانیوں کا رخ پھیرے جانے پر کوئی
آواز بلند نہ کی۔ کوئی احتجاج نہ کیا۔ کوئی کھڑک
میں نہ چلا بلکہ برہمن زادوں سے ہماری روانیوں کا
سودا کر لیا۔ یہ ہماری روانیوں پر غیروں کے اختیار
کی پہلی کڑی تھی۔ یہ پہلی کڑی اپنی نے ہی رکھی تھی۔ یہ
بڑی ہی سخت تھی، بڑی ہی کڑی تھی۔ یہ کڑی بڑی
ہی مخصوص تھی۔ یہ مل جاتا ہی بدشگون تھا۔

یہ آج ہمارے سینے پر بیٹے پانی کی کیا بیوں کا،
پایا بیوں کا شوق ہے۔ یہ لڈن اور واہ کے سامری خزانے
جانتے ہیں۔

پانی سال بہ سال کم ہو گیا۔ نایاب ہوتا گیا۔
پانی اور دھرتی میں جڑاتی اور فاصلے بڑھتے گئے
بارہ سال بیت گئے، کڑے، کسٹھ، بارہ سال

برہمن زادوں نے پانی کی روانیوں پر اپنی گرفت
مضبوط سے مضبوط کر رکھی۔ اور آخری بار ایک بڑے
سامری نے اپنے بڑی "دستوں" نہیں "آقاؤں"
کی تان پر بین بجاتی۔ اور پانی کی فرانینک کا شرہ بنایا
اور یہ شرہ ہانقا آج تو ختم دنگلا زبن گیا ہے۔ اب

دھرتی کے بیٹوں کی آنکھوں میں پانی ہے۔ دریاؤں
میں پانی نہیں ہے۔ دھرتی کے سینے پر پانی نہیں ہے۔
سنو! یہ دھرتی سید علی جویریہ کا مسکن ہے۔

یہ دھرتی فرید گنج شکر کا گہوارا ہے
یہ دھرتی شاہ عبداللطیف بھٹائی کی بستی ہے
یہ دھرتی عثمان مروندی محل شہباز قلندر کا گھر ہے
یہ دھرتی سلطان "بہو" بیٹے شاہ "وارث شاہ" کے

امرت گیتوں سے گونجتی ہے۔ دھرتی کے بیٹوں کے دل
پر پانی ہے۔ اس دھرتی کے رنگ رنگ میں زندگی کی
خوبیوں، لہر لہر، رنگ رس، احساس کی سچائی، سانچے ہیں،
کھرا ہیں، اخوت و محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا
ہے۔ یہ دھرتی سب کی سانچیں مایا ہے۔ سب کا سانچا جیون
ہے۔ اس دھرتی کے خمیر میں ملا تین ہی ملا تین شیر غنیمت
ہی شیر بنیاں ہیں۔

لیکن سید علی جویریہ گنج بخش، فرید گنج شکر، شاہ بھٹائی،
محل شہباز قلندر، بیٹے شاہ، سلطان "بہو" اور وارث شاہ
کی دھرتی آؤ اس ہے۔ تصویر یاس ہے۔ لب بہ فریاد
کہ میرے بیٹے۔ پانی کو اجارہ دار یوں، مضبوطوں اور مفاد
پرستیوں کی حبشیت نہ چڑھاؤ۔ بلکہ اپنے اہل دشمن کو بچاؤ
برہمن زادوں سے اپنا پانی والیں لو۔

مجھے پانی چاہیے۔ مجھے پانی چاہیے۔
نم پا ہیے، مجھے نم پا ہیے۔

میری زرخیزیوں کی خاطر
میری آبادیوں کی خاطر
میری بہاروں کی خاطر
مجھے بیٹوں کا لہو نہیں چاہیے۔
مجھے پانی چاہیے۔

مجھے پانی چاہیے۔
تاکہ میرے بیٹوں کے کھڑے سدا کھاتے رہیں۔
سدا اجلا تے رہیں
سدا سنو لاتے رہیں۔

کراچی کے

غریب

پاکستانیوں

نے

شہنشاہیت

کا جشن

منایا



کراچی کے باشعور اور جمہوریت پسند شہریوں نے ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ سانکرہ مختلف تقریبات منعقد کر کے منائی۔ کہیں مباحثے ہوئے کہیں محفل موسیقی، آرٹس کوئٹل آف پاکستان نے اقبال بانو کے ساتھ ایک شب منائی جس میں عمارتین شہر کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ کراچی کے مختلف گلی کوچوں میں چراغاں کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ شاید پاکستان کے سب سے بڑے شہر کے لاکھوں باشندے جمہوری نظام سے یالوس ہو چکے ہیں۔ اور وہ اگر اپنے ملک میں بادشاہت نہ دیکھ سکے تو پڑوسی ملک ایران کی شہنشاہیت انہیں ایرانی عوام سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک سماجی ادارے نے جسے ایک کامیڈین ہیرو اور ایک ابھرتی ہوئی میروین کی سرپرستی حاصل ہے۔ ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء کی درمیانی شب کو ڈوسے ہاؤس میں بالقاب دماسک (رقص منعقد کر کے منایا۔ فوڈولیتوں کے نوجوان لڑکے، لڑکیوں، تاجروں، صنعت کاروں، سماجی کارکنوں اور سیاسی رہنماؤں نے اس رقص میں شرکت کی، ڈوسے ہاؤس جو پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز اور کے ایل ایم کے مشترکہ انتظام کے تحت چل رہا ہے، میں رات کے نو بجے کے بعد راجہ اندر کے دربار کا سماں تھا۔

مغربی دھنوں پر پاکستانی اور بیرونی نغم برہتہ جسم، فوکس ٹراٹ، چاچا چا، راک این رول اور سٹیک ناچ رہے تھے۔ دماسک والے رقص میں بعض لوگوں نے بغیر نقاب کے شرکت کی۔

رات بھر بتیاں جلتی رہیں، بتیاں بجتی رہیں، جوڑے آتے رہے، جوڑے جاتے رہے، کاریں آتی رہیں، کاریں جاتی رہیں، ڈوسے ہاؤس کے کمرے کھلتے رہے، کمرے بند ہوتے رہے اور اس طرح ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ سانکرہ شاید اطرلیتے سے منائی گئی۔



ٹیلی ویژن کراچی کے ایک پروڈیوسر — اور
پاکستانی قوم کی ایک برہمنہ کھلڑکی



میں ریزہ ریزہ ہوں

میرا ہی حشر برپا ہے

جہاں میں چاروں طرف میری کرچیاں بکھریں
میں چاہتا ہوں کہ ان کو سمیٹ لوں — لیکن

ہوا میں زہر گھلا ہے

کراں کراں ہے گھٹن

یہ رنگ رنگ دریچے، یہ پھول پھول مکاں

یہ کیا جشن مناتے ہیں میرے شہر کے لوگ

مرے بکھرنے کا یا اپنے ٹوٹ جانے کا

ہر ایک سہمت چمکتی ہیں کرچیاں اپنی

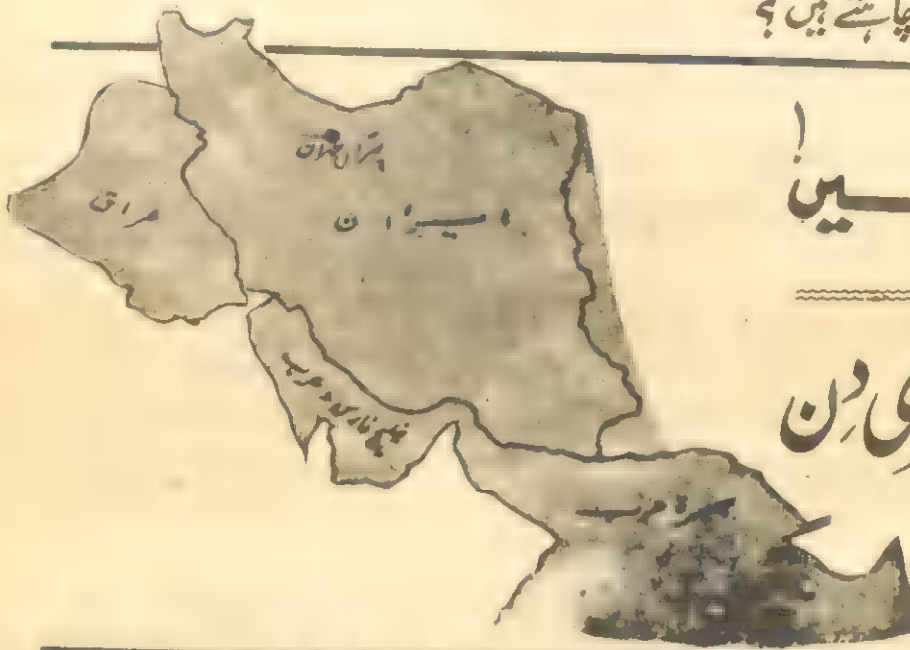
تمام قمقمے روشن ہیں اپنے ریزوں سے

مرے بکھرنے کا یہ جشن ہے — مبارکباد

ایران کے عوام کیا چاہتے ہیں ؟

خلیج فارس میں

سامراج کے آخری دن



نماظر الفتح

”امریکہ اور برطانیہ نہایت مالدار ہیں اور ایران کو بھاری تعداد میں جدید ترین جنگی ہتھیار فراہم کر رہے ہیں“ یہ انکشاف نیویارک ٹائمز نے ۲۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو کیا اخبار نگاہ پر لکھی، یورپی اور جاپانی صنعتوں کی بقاء اور ترقی کا واسطہ بننے والی خلیج فارس و عرب کے تیل پر ہے اس علاقے کی تمام تیل کمپنیاں امریکہ، یورپ اور جاپان کی ہیں، ۱۹۷۱ء کے آخر تک خلیج فارس و عرب سے برطانوی افواج کے اخراج کے فیصلے اور یہاں سے برطانوی مسلح بیڑے کی واپسی سے سامراجی مفادات کو اس علاقے میں عوام دوست، محب وطن طاقتوں سے شدید خطرہ ہے چنانچہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ اور برطانیہ ایران کو استعمال کر رہے ہیں یہ رپورٹ کے مطابق امریکہ آواز سے بیڑے پر قبضہ کرنے والے جدید ترین دوسو فینٹم ایٹم بمبار طیارے ایران کو فروخت کر رہا ہے جبکہ ایران کے پاس ایٹم ۸۶ اور ایٹم ۳ کے ایٹم کا طیاروں کی ایک بھاری تعداد موجود ہے، ایٹم کا بمبار طیاروں کے علاوہ بھاری تعداد میں مسلح بیڑے کا پٹرولین سٹی کا پٹرول کمری سامراج نے بہت وسیع پیمانے پر رویت نامیوں کے خلاف استعمال کیا لیکن بیت نام کے حربہ پسندوں نے اپنے معمولی مقبلاؤں سے انہیں مارا کر لیا اور کراخت رپائی پر چلنے والا تیز رفتار جہاز جہاز ٹینک، توپیں اور ٹرانسمیوٹ ہوائی جہازوں کے ہاتھوں فروخت کئے جا رہے ہیں اور ایرانی بحریہ کو جدید ترین بحری جہاز اور آرب ووز جی جہاز جاری ہیں یہ اس سلسلہ کے استعمال کے لئے خلیج فارس و عرب کے ایرانی ساحل پر بے شمار نئے ہوائی اڈے

بنائے جا رہے ہیں، پرانی ایرانی بندرگاہوں کو وسیع کیا جا رہا ہے اور نئی بندرگاہیں بنائی جا رہی ہیں نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق تھران کے جنوب میں ایک قومی اڈے کو آئندہ سوچاں ٹینکوں، بمی توپوں اور طاقتور جنگی مشینوں سے لیس کیا جا رہا ہے سامراجی مالک کے آپس کے تضادات، انحصالی نظام کے خلاف رنجشیں ہوتی ہوئی نفرت، اور دنیا میں سامراجی طاقتوں کے خلاف منظم عوام کی مرضی ہوئی خود جہاز ریزی کی وجہ سے سامراج اور نوآبادکاروں کے لئے یہ بہت مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اپنے مفادات کا تحفظ خود اپنی قوت سے کر سکیں، برطانیہ صلی

لیاقت اور مصدق

سامراجی مفادات

کے رکھوالوں کے

ہاتھوں شہید ہوتے

اب برطانیہ مغربی بن چکا ہے، اس بڑے شیر میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنے سامراجی مفادات کی حفاظت کر سکے، دنیا بھر کے عوام اسے دھتکار کر رہے ہیں اور اپنے وطن سے وکیلوں کو اسے واپس تھانے برطانیہ میں بھیج رہے ہیں، چند سال قبل جوفی بین کے عوام نے قومی محاذ آزادی کی قیادت میں جنوبی یمن اور عدن سے برطانوی فوجوں کو نکال دیا اور اب وہ اس علاقے کی رجعت

پسند حکومتوں اور سامراج کے حاشیہ برداروں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں، عوام مسلح جدوجہد کی راہ پر گامزن ہیں، خلیج فارس و عرب کی ریاستوں میں قومی محاذ آزادی کی قیادت میں مسلح جدوجہد کامیابی کی منتزلیں طے کر رہی ہے، ذوق و مسقط اور عمان کے بیشتر علاقوں سے حریت پسندوں نے سامراجی نوآزوں کو نکال باہر کیا ہے اور ایک وسیع علاقے سامراجی اور استعماری جنگی سے آزاد ہو چکا ہے، اب یہ تحریک خلیج فارس و عرب کے دوسرے علاقوں کا رخ کر رہی ہے، اس علاقے میں کتنے سال رجعت پسندوں کا اقتدار رہے گا؟ اس کا جواب چند برسوں میں ہی مل جائے گا۔

مسلح جدوجہد کے پیش نظر برطانیہ کے لئے یہ ممکن نہیں رہا ہے کہ وہ نرو رطافت خلیج فارس و عرب میں عوام اور معدنی وسائل کا انحصار برائے راست کر سکے، اس لئے برطانیہ اور امریکہ خلیج فارس کے سامراجی نوآزمکاروں کے ذریعے اپنے مفادات پورے کرنا چاہتے ہیں، خلیج فارس و عرب کی چھ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا وفاق اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، گو اس علاقے کی بڑی ریاستوں، بحرین، قطر اور کویت نے وفاق میں شمولیت سے انکار کر دیا ہے، لیکن برطانیہ کے ساتھ خصوصی دفاعی معاہدے کر کے انہوں نے برطانیہ کا اصل مقصد پورا کر دیا ہے، خلیج فارس و عرب کی چھ ریاستوں کا وفاق آپس کے تضادات کی وجہ سے فعال کر دیا اور اسے منسوخ کر دیا، امریکہ اور برطانوی مفادات کو پورا نہیں کر سکتا، اس لئے امریکہ، برطانیہ اور جاپان اپنے مفادات کے لئے ایران کو استعمال کر رہے ہیں۔

جب ڈاکٹر مصدق نوے فیصد کی اکثریت سے انتخابات

ایران میں انڈے اسرائیل سے درآمد کئے جاتے ہیں

جبکہ وزیراعظم نے تو انہوں نے تمام غیر ملکی آئل کمپنیوں کو قومیانے کا اعلان کیا اس موقع پر سوائے زمار امریکی می آئی نے نے سامراج کو ان ایرانی جرنیلوں کو خبردار کر ڈاکٹر مصدق کے لئے ہوتے انقلاب کو ناکام بنا دیا، اور انہیں قتل کروا دیا۔ اس زمانے کا ذکر ہے، جب پاکستان میں سامراج کے مفادات کے رکھوالوں نے پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان یوسف علی خان کو شہید کروا دیا تھا، ڈاکٹر مصدق کے بعد ایران مغربی ممالک کی گود میں چل گیا، اسے دفاعی معاہدوں میں پھانسا گیا اور وسیع پیمانے پر اسلحہ جہاز کیا گیا، جس سے ایران اسرائیل کو ایک ہی سامراجی معاہدے سنو میں حکمران کیا، برازیل، کویت، ملا اور جنوبی افریقہ کی طرح مغربی ممالک نے ایران میں بھی سرمایہ کاری کر کے ایرانی قومی سرمایہ داروں کو ابھرنے سے روک دیا اور یورپی ایرانی معیشت پر مغربی سرمایہ داروں اور ان کے حلیف گمشدہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہو گیا، پھر مغربی سرمایہ داروں نے بھاری صنعتوں میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے ایسی صنعتوں میں سرمایہ لگایا جہاں کمپنیوں کو صرف اسمبل کیا جاتا ہے ایران میں کاریں، ٹرک، بسیں، فرتز اور گھریلو استعمال کی برقی و گیس سے چلنے والی اشیاء کے پرزے مغربی ممالک سے درآمد کئے جاتے ہیں اور انہیں یہاں اسمبل کیا جاتا ہے امریکہ اور یورپ کی بڑی بڑی اہوارہ دار کمپنیوں، جنرل موٹرز، سیلنڈر، آئل، برٹش پٹرولیم کرائلز وغیرہ نے ایرانی گمشدہ سرمایہ داروں کے اشتراک سے کمپنیوں کو اسمبل کرنے کے بڑے بڑے کارخانے ایران میں قائم کر رکھے ہیں جس کی وجہ سے مغربی ممالک پر انحصار اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ روزمرہ کی اشیاء صرف یہی درآمد کیا جاتی ہیں یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ ایران میں پولٹری فارمنگ ایسی سادہ اور آسان صنعت بھی پران ہے جس میں چڑھنے کی چنانچہ انڈے اسرائیل سے درآمد کئے جاتے ہیں، مگن، ہالینڈ، ناروے، بلغاریہ اور رومانیہ سے منگوایا جاتا ہے، شہری آبادی کے لئے بھیر کا گوشت نیوزی لینڈ سے درآمد کیا جاتا ہے، گندم امریکہ آسٹریلیا اور کینیڈا سے ملگوانی جاتی ہے، پھل جس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ایران میں بجز تازہ مٹائے لہناں سے درآمد کیا جاتا ہے اس افوشاک صورت حال سے نپٹنے کے لئے جو اقدامات کئے جا رہے ہیں اس سے الٹا نقصان ہو رہا ہے بیرونی ممالک نے گمشدہ سرمایہ داروں کے اشتراک سے ایران کے زرعی علاقوں میں وسیع ذریعہ پر زنی قائم کھولے ہیں اور مزید کھولے جا رہے ہیں، ان فارموں میں میٹھی زراعت کا طریقہ اپنایا گیا ہے لیکن

ان کمپنیوں سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھایا جاتا جس کی وجہ سے پہلے اس مسلسل کم ہو رہی ہے۔
ایران کو تیل کے ٹیکس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ ساری تو نہیں لیکن اس کا ایک بہت بڑا حصہ درآمدات پر خرچ ہو جاتا ہے اور جو اشیاء درآمد کی جاتی ہیں، وہ ایسی ہوتی ہیں کہ مغربی ممالک پر انحصار کم کرنے کی بجائے بڑھتا جاتا ہے اس وقت ایران کو مغربی ممالک نے مشرق وسطے کے علاوہ افریقہ اور ایشیا میں اپنی مصنوعات فروخت کرنے کا ڈھ بٹا لیا ہے۔ امریکی، یورپی اور جاپانی کمپنیوں کے علاوہ سوویت یونین اور مشرقی یورپ کے ممالک نے بھی ایران میں اپنی کمپنیاں قائم کر دی ہیں، مغربی ممالک کا بنا ہوا لیکن ایران کا اسمبل کردہ سامان مشرق وسطے کے علاوہ مشرقی یورپی ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے حال ہی میں امریکی کمپنی کرائلز کی بنائی ہوئی لیکن ایران کی اسمبل کردہ کئی سو لیس ٹرکس امریکی کمپنیوں کے اسمبل کئے ہوئے فرتز اور گھریلو استعمال کی، بجلی اور گیس سے چلنے والی مصنوعات بلغاریہ کو درآمد کی جاتی ہیں۔ اس طرح مغربی ممالک اپنی مصنوعات ایران کی وساطت سے ان ممالک کو برآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے جہاں ان کا براہ راست داخلہ ناممکن ہے۔

تہران یونیورسٹی اور تہران پولی ٹیکنک ایک برس سے بند ہیں

مندرجہ بالا سطروں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایران میں مغربی ممالک کے مفادات اعلیٰ پیمانے پر فروغ پا رہے ہیں۔ ایران کے گمشدہ سرمایہ داران مفادات کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ یہاں وجہ ہے کہ مغربی ممالک کے نمائندے اور ادارے مشرقی عالمی بینک وغیرہ اکثر ایران کی ترقی کو غور کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یادش بخیر! ایوب خاں کے "دس سالہ دور ترقی" میں بھی مغربی ممالک اور عالمی ادارے پاکستان کو ایشیا کے ترقی پذیر ملکوں میں

امتیازی مقام دیا کرتے تھے، شکر ہے کہ اب پاکستان ان کی اس نہرست سے نکل چکا ہے، جس میں تہران جنوبی کوریا، برازیل وغیرہ ایسے سامراج نواز ممالک شامل ہیں۔

ایرانی حوام، مغربی ممالک کے بڑے بڑے ٹرکٹ اور ایرانی گمشدہ سرمایہ داروں سے سخت ملاں ہیں، شہر ایران نے "سفید انقلاب" برپا کر کے ایران کے طلبہ عرض میں تنخواہ دار محبوں، محسن کی تعداد خود حکومت کے مطابق دس لاکھ سے زائد ہے، کاجال پھیلا کر اور ذرائع ابلج عامہ پر کنٹرول کر کے دایران میں صرف دو روزنامے "کیهان" اور اطلاعات شائع ہوتے ہیں۔ دونوں کا مقام اشاعت تہران ہے۔ یہ اخبار دوسرے شہروں میں اگلے دن ملتے ہیں۔ دونوں اخباروں میں خبریں اور مضامین تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں، حالات پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے شہر، دیہات اور گاؤں کے اندر ماورباہر جانے والی سڑکوں پر فری چمکیاں قائم کر دی گئی ہیں جہاں باہر سے آنے اور باہر جانے والی ہر کار، میں اور ٹرک کی تلاشی اور جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ ان تمام اقدامات کے باوجود حالات پر ان کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال گذشتہ طلبہ نے ملک گیر ہڑتالیں کیں۔ حکومت نے ۵۰ سے زیادہ طلبہ، دانش وروں اور دیگر طبقوں کے افراد کو طویل عرصے (دیں سال تک) کی قید با مشقت کی سزا سنائی۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا "جرم" یہ تھا کہ انہوں نے چین کے عظیم رہنما اور پاکستان کے عظیم محسن چیترا میں ماؤ کی تصانیف کا ترجمہ کیا تھا۔

ایران کی سب سے بڑی یونیورسٹی تہران یونیورسٹی اور تہران پولی ٹیکنک تقریباً ایک سال سے بند ہیں۔ اس کے علاوہ خود کیہان انٹرنیشنل کی دپورٹ کے مطابق ایران میں مسلح جدوجہد شروع ہو چکی ہے بجز کہیں کے گھنے جنگوں میں انقلابیوں نے اسے قائم کر لیا ہے۔ ابھی ایک ہفتہ قبل روزنامہ "من" کراچی نے تہران میں انقلابیوں اور ایرانی فوج کے درمیان ایک باقی صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں



فوج کو معلوم نہیں

کون محب وطن ہے اور کون تخریب کار

افتح رپورٹ

ہفت روزہ "افتح" کی جانب سے مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی کی نمائندگی اور ہمت پسند تنظیم "البدز" کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات کے بعد بات ثابت ہو چکی ہے کہ جماعت اسلامی مشرقی پاکستان میں عبادتی ایکٹوں اور وطن دشمن عناصر کے خلاف ہم جہاد کے نام پر اپنے سیاسی حریفوں کو وسیع پیمانے پر ترقی کر رہی ہے۔ اور اب اس کا احترام مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کی جانب سے کیا جانے لگا ہے۔ مثلاً پاکستان جمہوری پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے رکن اور قومی اسمبلی کے سابق ممبر ایم اے رشید نے ایک اخباری بیان میں مشرقی پاکستان کے گورنر ڈاکٹر ملک سے رخصت کی ہے کہ وہ تمام امن کمیٹیاں غوری طور پر توڑ دیں اور رضا کار فورس کے ماتحت کر دیں کیونکہ جماعت اسلامی کے کارکن رضا کار فورس کے جیس میں نہ صرف اپنے سیاسی حریفوں کو پریشان کر رہے ہیں بلکہ انہیں قتل بھی کر رہے ہیں۔ مثلاً ایم اے رشید نے مزید کہا کہ مشرقی پاکستان میں آزادانہ اور غیر جانب دار انتخابات کے لئے ضروری ہے کہ انتخابات سے قبل امن کمیٹیوں کو توڑ دیا جائے کیونکہ کم از کم کمیٹیوں پر جماعت اسلامی اور کونٹینسمنٹ مسلم لیگ کے کارکنوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور جماعت اسلامی نے رضا کاروں میں اپنی جماعت کے کارکنوں کو داخل کر لیا ہے اس سلسلے میں سب سے

پچھلے پاکستان کونسل مسلم لیگ کے ممتاز لیڈر شفیق الاسلام نے ایک پریس کانفرنس میں شکایت کی تھی لیکن انہوں نے ہاتھ ہی اخبار نویسوں سے درخواست کی تھی کہ وہ مذکورہ خبروں کے حوالے سے شائع نہ کریں (اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ان کی اخلاقی بزدلی تھی) اس کے بعد میڈین پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں ایک پریس کانفرنس میں اس کا بیانیہ دیا تھا

کیا ہے جس نے جماعت اسلامی کے حقوق میں گھسیٹ گئی اور اس کی جانب سے اس سنگین الزام کی تردید میں بیانات کا لافنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا لیکن ابھی جماعت اسلامی کے تردید میں بیانات کا سلسلہ جاری تھا کہ مشرقی پاکستان جمہوری پارٹی کے ممتاز لیڈر ایم اے شیخ نے اس کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ جماعت اسلامی کا نام لے کر ایک احتجاجی بیان بھی داغ دیا جو مشرقی پاکستان کے تمام بنگلہ دہا گریزی اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوا۔ ایم اے شیخ کے بیان کی سیاری سیکے بھی نہیں پائی تھی کہ تحریک استقلال کے سربراہ سابق ڈپٹی چیئرمین صفر خان نے بھی اس الزام کی تصدیق کر دی اور معروف کیا کہ ان کے مشرقی پاکستان آنے کے بعد ان کی پارٹی کے لیڈروں نے ان سے اس بات کی شکایت کی ہے مائیکر مارشل صفر خان نے مشرقی پاکستان کے گورنر ڈاکٹر ملک سے اس قسم کے واقعات کی روک تھام کرنے کی درخواست کی۔

ہفت روزہ "افتح" نے "البدز" کے بارے میں جو سنسنی خیز انکشافات کیا تھا اس کے بارے میں جماعت اسلامی اور اس کے بھائی بچے ابھی تک خاموش ہیں اور انہوں نے ابھی تک اس کی تردید میں کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ تاہم "افتح" نے "البدز" کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق جماعت اسلامی کے بھائی بچے ہفت روزہ "زندگی" لاہور نے بھی کر دی ہے۔ چنانچہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور (مطبوعہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء) میں اسلامی جمہیت طلبہ کے ۲۰ سالانہ اجتماع کی سجاد میر کی تحریر کے ساتھ ایک تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں "البدز" کے کاؤنڈلر شرف الدین مین سنگھ کی زبانی "البدز" کے بارے میں کی گئی ہے اور ایم باتوں کا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ سجاد میر نے انکشافات کے دریافت کیا اگر آپ کو رضا کاروں سے انکشاف ہو کر منظم ہونے کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کے جواب میں علامہ شرف الدین کا کہنا تھا اصل رضا کاروں میں صرف طالب علم ہی نہیں دوسرے شہری بھی شامل ہیں ہم انک

عوام پولیس اور ریجنل سے نفرت کرتے ہیں

وہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان لوگوں میں خود کو مدغم نہیں کرتے۔ پھر سیاسی جماعتوں نے اپنی طاقت کا ہر کرنے کے لئے ان تنظیموں میں زیادہ سے زیادہ آدمی داخل کئے اس پر انہیں تحریک پسند عناصر میں گھس آئے۔ ہم ان کے جرائم کو اپنے ذمے لینا نہیں چاہتے تھے دوسری بات یہ کہ رضا کار تنظیمیں پولیس اور ریجنل کی ماتحتی میں کام کرتی ہیں اور پولیس اور ریجنل میں زیادہ تر افراد مغربی پاکستان سے بھیجے گئے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی بھی کافی تعداد وہاں پہنچ گئی جن کی ہمدردیاں مغربی پاکستان کی ان سیاسی جماعتوں سے ہیں جو مغربی پاکستان کے محب وطن عناصر کی دشمن ہیں ان کا رویہ بھی عام ہے اور اسی قیادت میں ہمارا کام نہ کر سکا واضح ہے... یہیں بارہ دن کی تربیت دی جاتی ہے اور پھر ہم میدان عمل میں آجاتے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ شہروں میں حالات معمول پر ہیں مگر تحریک کار دیوانوں میں جا چھپے ہیں فوج ان کو نہیں پہچانتی بلکات کے لئے یہاں کے یہ رستے سمجھتے ہیں۔ یہیں علم ہے کہ کون محب وطن ہے اور کون تحریک کار؟ سجاد میر نے ان سے پوچھا عوام کا "البد" کے بارے میں کیا رویہ ہے؟ اس کے جواب میں عوام شرف نے کہا جیسا وہ تو اب قنائب کرنے لگے ہیں کہ پولیس اور ریجنل کو وہاں بلا کر البد کران کی جگہ بھیج دیا جائے جہاں جہاں انتظام ہمارے ہر دہے دوسرے اسے رشک کے جذبات سے دیکھتے ہیں کچھ دنوں قبل ریجنل نے زمین شکر کا دورہ کیا تو ہماری کارکردگی کی بے پناہ تعریف کی۔

میں نے زندگی سے آنا طویل تھا اس صوفیہ اس لئے دیا کہ تارمین الفتح کو معلوم ہو جائے کہ جماعت اسلامی کے لوگ البد کے بارے میں کیا کہتے ہیں البد کے کاٹھنڈا مشرف کے بیان سے پہلے بارگاہی نئی باتوں کا انکشاف اور ساتھ ہی اختلاف، ہوا ہے مثلاً یہ کہ رضا کار فورس میں جو حکام اور اس کی کمیٹی کی طرف سے قائم ہوتی ہے تحریک پسند عناصر گھس آئے ہیں یعنی تحریک پسند عناصر حکومت کی جانب سے جہاں ایک ہونٹ لگے پسندوں تحریک کاروں اور وطن دشمنوں کا صفایا کر رہے ہیں (واہ واہ) کیا خوب انکشاف

ہے! اس سے پہلے کسی نے یہ زبردست انکشاف نہیں کیا! انکوائس مسلم لیگ کے سربراہ فضل القادر چوہدری اور مشرقی پاکستان کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ خیر الدین کے بیان کے مطابق امن کمیٹی میں تمام محب وطن جماعتوں کے کارکن شامل ہیں جو محب وطن کارکنوں اور شہریوں کا رضا کار فورس میں شامل کرتے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی کے کارکن محض شرف کے بیان کے مطابق اس میں تحریک پسند عناصر گھس آئے ہیں اس لئے وہ ان کے جرائم کو اپنے ذمے لینا نہیں چاہتے ہیں یعنی عوام شرف یہ تسلیم نہیں کر رہا کہ رضا کار فورس کے اراکین (خواہ اس کی کوئی بھی تاویل پیش کی جائے) جرائم کر رہے ہیں عوام شرف کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ رضا کار تنظیمیں پولیس اور ریجنل کی ماتحتی میں کام کرتی ہیں اور پولیس اور ریجنل میں زیادہ تر افراد مغربی پاکستان سے بھیجے گئے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی بھی کافی تعداد وہاں پہنچ گئی جن کی ہمدردیاں مغربی پاکستان کی ان سیاسی جماعتوں سے ہیں جو مغربی پاکستان کے محب وطن عناصر کی دشمن ہیں یعنی عوام شرف اور جماعت اسلامی یہ کہنا سب احمق ہے کہ پولیس اور ریجنل سیاسی پارٹیوں کے اراکین ہیں اور وہ مشرقی پاکستان میں شر پسندوں اور وطن دشمنوں کا سرکھنے کے بجائے جماعتی سیاست کرنے لگے ہیں۔ جماعت اسلامی کے اس اہم سیاسی کارکن اور فوجی تنظیم کے کارکنوں نے پولیس اور ریجنل کی ملک و وطن سے وفاداری کے بارے میں عوام کے دل و دماغ میں کوک و شبہات پیدا کرنے اور اس طرح مارشل لا کے ضابطے کی صورت خلافت و دزدی کرنے کی کوشش کی ہے اور پولیس اور ریجنل کو ایک سیاسی فریق قرار دیا ہے۔ البد کے اس کاٹھنڈے نے بیان میں شاذ و بیجا پرتی اور دوسری قیادت سیاسی جماعتوں پر بھی چھیننے اڑانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم فی الحال اس سے بحث کرنا نہیں چاہتے ہم صرف جماعت اسلامی کے اس ترجمان کے بیان کا آپریشن کرنا چاہتے ہیں۔ عوام شرف نے مدت کہہ کے کہ "اس قیادت میں ان کام کرنا بہت مشکل ہے" کیونکہ مختلف سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں جماعت کے کارکنوں کو من مانی کرنے اور

قتل عام کرنے کی اجازت ملنی مشکل تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی نے "البد" کے نام سے اپنی فوجی تنظیم اس وقت بنائی جب کہ مختلف سیاسی جماعتوں اور حلقوں کی جانب سے رضا کار فورس پر اعتراض کیا گیا کہ مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے کارکن اپنے سیاسی حریفوں کو میدان سے ہٹانے کے لئے نہیں ملک دشمن اور بھارتی ایجنٹ کہہ کر ہلاک کر رہے ہیں۔ ان اعتراضات کو دہرے سے حکام نے جماعت کے کارکنوں کی کوئی گولائی شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے انہیں کل کر کیلئے کاموقع نہیں ملا۔ اور انہوں نے "البد" کے نام سے الگ نیم فوجی تنظیم بنائی۔ جماعت اسلامی کے کارکن اپنے حریفوں کو کس طرح قتل کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ کاٹھنڈا عوام شرف کی زبان سے سنیں عوام شرف کہتے ہیں "فوج ان کو نہیں پہچانتی بلکہ ان کے لئے وہاں کے پڑتے بھی سمجھتے ہیں۔ یہیں علم ہے کہ کون محب وطن ہے اور کون تحریک کار" یعنی محب وطن اور قوم پرستی کا رنگینیت جماعت اسلامی کے کارکن فراہم کرتے ہیں۔ یعنی وہ جسے محب وطن قرار دیتے ہیں، وہ محب وطن ہے۔ اور جسے وہ قوم دشمن قرار دیتے ہیں وہ قوم دشمن! اگر عوام شرف کا یہ بیان سونی مدد درست ہے تو کھیلنا چاہیے کہ مشرقی پاکستان میں خصوصاً جماعت اسلامی کی نظروں میں وطن پرستی کا مبیار کیا ہے۔ کیا ان شواہد اور دلائل کے بعد بھی جماعت اسلامی کے حرام سے انکار ممکن ہے۔

ہم آخر میں مرثیہ کہنا چاہتے ہیں کہ رضا کار فورس کے ہوتے ہوئے ایک الگ نیم فوجی تنظیم "البد" کے عیام کی کس طرح اجازت دی گئی۔ خصوصاً ایسی بات میں جب کہ مارشل لا کے تحت مشرقی پاکستان کے خصوصی پس منظر میں کسی سیاسی یا نیم فوجی تنظیم کا قیام غیر قانونی ہے۔ "البد" کے نام سے جب تنظیم قائم ہوئی ہے تو ظاہر ہے اس کے پاس اسلحہ بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلحہ کس طرح اور کہاں سے حاصل ہوا یا فراہم کیا گیا؟ یہ سیاسی حلقوں کی جانب سے سوال کیا جا رہا ہے کہ اگر دوسری سیاسی جماعتوں نے وطن دشمنوں کو کھیلنے کے لئے اپنی الگ تنظیم قائم کی تو کیا اُسے بھی آسانی سے اسلحہ رکھنے کی اجازت دے دی جائے گی؟



سرمایہ قوم کا — منافع باوانی کی جیب میں

الفتح رپورٹ

باوانی گروپ کی دو اہم ترین شخصیات جیولر صاحب باوانی (اور محمد امین باوانی ہیں) اور آراء امین گروپوں کو باوانی گروپ میں تائید کی حاصل ہے، آراء جیوٹ اور آراء ٹیکسٹائل کے علاوہ دوسری کمپنیوں میں مجموعی طور پر ۲۶ ڈائریکٹر ہیں۔ جن میں ہندو تو باوانی گروپ کے اپنے خاندان کے افراد ہیں اور باقی میں سے اکثریت ان کے پرانے نکل خواروں کی ہے۔

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

۱۔ اس مل نے ۱۹۵۲ء میں پروڈکشن شروع کی اس میں

۱۹۶۵ ۶ ————— ۵۰ ۶۳

۱۹۶۹ ۶ ————— ۶۰ ۶۳

باوانی گروپ نے پاکستان میں اپنا کاروبار دیر سے شروع کیا اور ان کی ترقی کی رفتار پہلے پانچ سالہ منصوبے میں تو تقریباً صفر تھی، لیکن دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں باوانی گروپ کو ہوش آگیا اور وہ سرٹ دولت کی دوڑ میں شامل ہو گئے باوانی گروپ کے ادا شدہ سرمایہ میں سال بہ سال اضافہ کی رفتار رہی۔

پاکستان کے بڑے سرمایہ داروں میں باوانی آٹھویں نمبر پر آتا ہے۔ آزادی سے پہلے اس گروپ کا بریڈ میں کپڑے کا اچھا خاصہ کاروبار تھا اور پاکستان آنے کے بعد بھی انہوں نے کپڑے ہی کے کاروبار کو ترجیح دی۔ باوانی گروپ کا اولین کارخانہ باوانی وائلن ٹیکسٹائل مل کا قیام تھا اور یہ مل ۱۹۶۹ء میں قائم ہوا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ کپڑے کے کاروبار کے علاوہ اس گروپ نے دوسری صنعتوں میں بھی پاؤں پھیلانے شروع کر دیے۔ اور اس طرح جیوٹ، پانی پختن، ریزن، کیمیکل اور چینی جیسی صنعتیں بھی ان کے دائرہ کار میں آ گئیں۔

باوانی گروپ کی مندرجہ ذیل چھ کمپنیاں کراچی ایکس چینج کی فہرست میں ہیں۔

- ۱۔ باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
- ۲۔ لطیف باوانی جیوٹ ملز لمیٹڈ
- ۳۔ احمد باوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
- ۴۔ باوانی شوگر ملز لمیٹڈ
- ۵۔ آراء ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
- ۶۔ آراء جیوٹ۔

۱۹۶۶ء میں باوانی گروپ کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۵.۶۳ کروڑ تھا، لیکن ۱۸۰۸۶ (ASSETS) کروڑ تک پہنچ چکے تھے باوانی گروپ کا سارا کاروبار ان کی اکلوتی انجنیری احمد برادہ لمیٹڈ کے ذریعے ہوتا ہے یہ گروپ سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔

باوانی گروپ کی مختلف پانچ سالہ منصوبوں میں ترقی کی رفتار یہ رہی۔

سال ادا شدہ سرمایہ (کروڑ روپے)

۱۹۵۵ ۶ ————— ۲۰ ۵۵

۱۹۶۰ ۶ ————— ۲۰ ۵۵

سال	لطیف باوانی جیوٹ	احمد باوانی	باوانی انڈسٹریز	باوانی شوگر	آراء ٹیکسٹائل	آراء جیوٹ	ٹوٹل
۱۹۵۴	-	-	-	-	-	-	-
۱۹۵۵	-	-	-	-	-	-	-
۱۹۵۶	۱۵۰	-	-	-	-	-	۱۵۰
۱۹۵۷	۱۵۰	-	-	-	-	-	۱۵۰
۱۹۵۸	۱۵۰	-	-	-	-	-	۱۵۰
۱۹۵۹	۱۵۰	۱۰۵	-	-	-	-	۲۵۵
۱۹۶۰	۱۵۰	۱۰۵	-	-	-	-	۲۵۵
۱۹۶۱	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	-	-	-	۴۱۳
۱۹۶۲	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	-	-	-	۴۱۳
۱۹۶۳	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	-	-	-	۴۱۳
۱۹۶۴	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	-	-	-	۴۱۳
۱۹۶۵	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	۱۵۰	-	-	۵۶۳
۱۹۶۶	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	۱۵۰	-	-	۵۶۳
۱۹۶۷	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	۱۵۰	۲۰	-	۵۹۳
۱۹۶۸	۱۵۰	۱۰۵	۱۵۸	۱۵۰	۲۰	-	۵۹۳
۱۹۶۹	۱۶۵	۱۱۰	۱۵۸	۱۵۰	۳۰	۵۰	۶۶۳



جماعت اسلامی کے

تخواہ دار کارکن بڑی تعداد میں داخلہ لے رہے ہیں

نمائندہ الفتوح لاہور

”الفتح“ میں پنجاب یونیورسٹی کا پردہ چاک ہونے کے بعد سے یونیورسٹی کے رباب اختیار دانوں خلیفہ پریشان اور جھلائے ہوئے ہیں۔ اس سے قبل وہ ذاتی حلقوں میں یہ دعویٰ کر چکے تھے کہ انہوں نے الفتوح والوں کو پنجاب یونیورسٹی کے بائیس لکھنے سے روک دیا ہے۔ لیکن سب راز و کھٹات انہیں اب بوجھانے کے بعد اب بائیس ہزار والوں کو کس رہے ہیں اور اپنی قانونی اور سرکاری پوزیشن محفوظ کرنے میں مصروف ہیں۔

یونیورسٹی محدود مہاسی جماعتوں کو اپنی سرگرمیاں کرنے کی اصولی طور پر اجازت نہیں مگر حسب محول یہ پابندیاں صرف بائیس ہزار کے لئے ہیں۔ گذشتہ دنوں اسلامی جمیعت طلباء کے لیڈر مطیع اللہ نظامی کو یونیورسٹی آڈیٹوریم میں ملوایا گیا لوگوں کو جمع کر کے لئے بغیر اجازت دہلی کے انہیں اجازت کی ضرورت بھی کیا ہے اجتماع اسلامی کے کارکنوں نے یونیورسٹی یوکیس میں جلوس بھی نکالا، قابل اعتراض پوسٹروں پر ایک ترقی پسند طالب علم نے اعتراض کیا تو یونیورسٹی یونین کے اسلام پسند سیکرٹری جاوید انجمی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس طالب علم کو زد و کوب کیا۔ مطیع اللہ نظامی جو ابھی گذشتہ دنوں تک اسلامی جمیعت کے ناظم اعلیٰ تھے، نے مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں گڑھ کن رپورٹ پیش کی، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مشرقی پاکستان میں سوشلسٹ قوتیں بحریہ کر رہی ہیں اور جماعت اسلامی کے

دم سے ہی پاکستان متحد ہے انہوں نے پاکستان کے اتحاد کے لئے برطانیہ اور امریکہ کی مساعی کو بھی سر لاء بیگن کی سوشلسٹ طاقتوں کے خلاف زہر آگتے پر بہت سے طلباء احتجاجاً واک آؤٹ کرتے اور مل میں صرف اشاعت تعلیم کاٹے اور پھر سے بولتے گئے کارکن روگئے، اس سلسلے میں حجت کی بات یہ ہے کہ سالوں کی یہ پہلی تقریب اسلامی جمیعت طلباء کے لیڈر کے لئے منعقد کرنے کی اجازت کس طرح دی گئی، مجلس کیسے نکالا گیا، اور کیا بائیس

شعبہ بسبود کے طلبہ کو خواجہ غلام صادق سے نجات مل گئی

ہزاروں کو بھی ایسی سرگرمیاں کرنے کی اجازت ہے؟

آج کل کے لئے آؤز کے داخلہ ہورہے ہیں اور ان داخلوں ہی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ رجعت پسند جماعتیں یونیورسٹی پھیسومی تو میرے ہی ہیں، آؤز کی کلاسوں میں جماعت اسلامی کے تخواہ دار کارکن ٹری تھوڑے میں داخلے لینے کی کوشش کر رہے ہیں، ابھی ایم لے

کے داخلے ہو رہا ہے، یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے اور اس کا مقصد یونیورسٹی کی سیاست کو پوسے طور پر اپنے قابو میں لینا ہے حال ہی میں شعبہ بسبود طلباء کے ڈائریکٹر کے ہمد سے کاجانچہ یونیورسٹی کے سب سے سینئر استاد پروفیسر شیر احمد لودھی نے سبھان لیا ہے اور یوں خواجہ غلام صادق کا اس شعبے اور اس شعبے کا خواجہ غلام صادق سے پیچھا چھوڑنا خواجہ صاحب کا دور طلباء کے خلاف خفیہ رپورٹوں، بائیس ہزار کے خلاف احتجاجی کارروائیوں اور کشیدگی کا دور بدما ہے پروفیسر شیر احمد لودھی طلباء کے تمام حلقوں میں احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں اور ڈاکٹر کے ہمد سے پرتھر ران کے لئے جیلینج ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ خود کو بدلتے ہیں یا شعبہ کو تاہم ان کی تقرری کے ساتھ ہی اسلام پسندوں کی طرف سے غیر متوقع طور پر شعبہ بسبود طلباء کے خاتمے کا مطالبہ یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اسلام پسندوں کو پروفیسر صاحب سے اس فرمانبرداری کی توقع نہیں جس کا ثبوت پہلے ڈائریکٹر دیتے رہے ہیں۔

یونیورسٹی ایکڈمیٹکس شاف ایسوسی ایشن پرفیسر کے لئے اسلام پسندوں کی کوششیں س بار پھر ناکام ہو گئی ہیں، اس سیشن کے لئے ڈاکٹر خیرات ابن رصاصہ راور ڈاکٹر عجیب سے شیخ سیکرٹری چنے گئے ہیں، دونوں حضرات اپنے غیر متعصبانہ مزاج اور پروگرام دہشت کے لئے جانے پہچانے ہیں، ڈاکٹر عجیب کے خلاف تو وائس ہزار کے اخبارات خاصا نیچر اچھا چکے ہیں۔ وائس انٹار شعبہ صفا مفت کے اسلام پسند براہ ڈاکٹر عبد السلام غور شیر تاج بان فیم اپنے براہ روئے سے وائس

طالب علموں پر یونیورسٹی کی دھاندلیوں کے خلاف لکھنے پر پابندی

آچکے ہیں، اس دورے کے دوران موصوف نے مشرقی افریقہ میں سامراج کے اڈوں کا دورہ کیا اور ستائیسواں کے نمائندوں کے ہمراہ متعدد میٹنگوں میں شرکت کی، یہ افریقہ قابل ذکر ہے کہ اس

دورے کی چین دشمن نوعیت کا پتہ چلتے ہوئے حکومت نے یونیورسٹی کو بائیت کی مٹی کہ موصوف کو جلد از جلد واپس بلا جائے مگر یہ حکم نامہ رجنڈر کی میز پر پڑا یہ معلوم ہوا ہے کہ اس سارے

اسکینڈل کے باوجود ڈاکٹر عبدالسلام غور شید سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔

یونیورسٹی کے شعبہ استقامت میں شدید بدعنوانیوں اور بے وقارگیوں کا انکشاف ہونے کے بعد ذمہ دار حکام کے خلاف کارروائی کی گئی۔ انتظامیہ نے اسسٹنٹ کنٹرولر کو کنٹرولر انتظامات مقرر کر دیا ہے، نئے کنٹرولر مقرر شدہ شخص ہیں اور رجنڈر پنجاب یونیورسٹی کے فرائض دار اور راز دار ہیں انتظامات کے سلسلے میں ہونے والی دھاندلیوں کے دوران ذمہ دار ہمد سے پرفائز یہ حضرت یونیورسٹی کیلنڈر میں درج کنٹرولر کے عہدے کے لئے ضروری حقائق میں سے کسی کو بھی پورا نہیں کرتے، جبکہ منفرد امیدواران سے بددعویٰ کو ایذا کا نقصان، یاد رہے کہ آج تک اس عہدے پر صرف ایک نام لکھا ہے۔

گذشتہ دنوں یونیورسٹی میں سائنس مائٹس قانون اور کامرس کے لئے ڈیویژن کے تقریر کا مقصد رفتہ رفتہ سامنے آ رہا ہے ڈیویژن کے عہدوں پر اسلام پسندوں اور یونیورسٹیوں کو مقرر کیا گیا ہے، تنقید سوز دے، امور کی اضافی تنخواہ کے عوض ان سے یونیورسٹی کو سامراجی اڈا بنانے کے لئے کام لیا جائے گا، ڈاکٹر فضل خواجہ صلاح اللہ پیر، شیخ امتیاز اور غلام مرتضیٰ کامیابی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ یہ کام پوری تندی سے سر انجام دیں گے۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں پنجاب یونیورسٹی کی سامراجی توجہ انتظامیہ نے آزادی اظہار رائے کا کلر کاٹنے اور اپنے ہیمنانہ اور ایم کی پورہ پوشی کرنے کے لئے گذشتہ دنوں تمام صدر شعبہ جات کے اجلاس میں ایک تجویز منظور کی ہے جس کے مطابق یونیورسٹی کا کوئی طالب علم یونیورسٹی میں ہونے والی دھاندلیوں کے بارے میں کسی اخبار یا رسالے میں مضمون یا کالم شائع نہ کرے ورنہ اس کے خلاف ایک پانچ رکنی کمیٹی بنا دی گئی ہے، جس میں سامراجی توجہ شیخ امتیاز پرستین لارہ کاٹنے، یونیورسٹی میں مذہبی طور پر، لاکھ روپے کے عین کے طرز سابق قانون اور موجودہ رجنڈر اور رجنڈر شمشاد جلد اور جانے پہچانے لری کی سی آئی کے ایجنٹ ڈاکٹر افضل صدر شعبہ علم انتظامیات شامل ہیں۔

اس تجویز کو نظر باہر عمومی شکل دی گئی ہے، لیکن موجود صورت میں جبکہ یہ سبہ ترین اصول وضع کرنے کی حاجت محسوس کی گئی ہے یہ اصول عمومی نہیں بلکہ صرف عوامی خدمت طلبہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

یونیورسٹی کا رجسٹرار

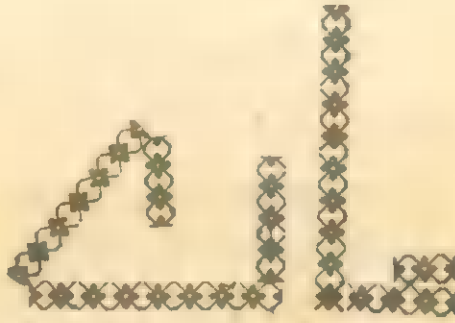
وائٹس چانسلسر سے زیادہ اختیار ہے

چیف ٹیکنیشن کی حیثیت سے ملازم کروا رکھا ہے اسے تقریر ۵۰ روپے تنخواہ ملتی ہے اور کیس میں پروفیسروں کے ساتھ بائیس کو مٹی کی بوتلی ہے ان صاحب کا ایک بڑا رشتہ جی کاوائٹس چانسلسر سے ہے اس کے طور پر تنخواہ لیتا ہے مگر اصل دفتر کی بجائے شمشاد جلد کی جھینس کے لئے گھاس کاٹتا اور دو دو دو دو دھنچکا ہے۔

یونیورسٹی کے ایجنٹ کے طور پر اس کی پگاس ہزار روپے کے مہینہ عین کے ملازم سابق رجنڈر باقی حسین کا مقدمہ داخل لاہور دیوانی عدالت میں منتقل کر دیا گیا ہے یہاں میں نے رجنڈر اور دوسرے یونیورسٹی حکام پر سنگین الزامات عائد کئے ہیں جن کو یونیورسٹی چھپانے کی کوشش کر رہی ہے شمشاد جلد نے اپنی مدت ملازمت میں نو سینے کے لئے ذاتی کوششوں سے یونیورسٹی کے انتظامی امور کی ریٹائرمنٹ کی مگر ۱۵ سال کوئی ہے، جبکہ تمام سرکاری محکموں میں برآمد ۵۵ سال کی ہے یونیورسٹی کے فرائض سے یہ رعایت شاہ صاحب کے لئے خصوصی رعایت ہے ورنہ اتنا یونیورسٹی خزانہ کے مہینہ عین کی از سر نو تحقیقات کے لئے سیکرٹری مواصلات کی سربراہی میں جو کمیٹی قائم کی گئی تھی تمام ترامیم کے باوجود عین کی ذمہ داری کسی پر ڈالنے کی ہمت نہیں پارہی معلوم ہوا ہے کہ مرنیم وی فریڈی کی گذشتہ رپورٹ میں بے وقارگیوں کے عزائم کا دستاویزی ثبوت مل گیا مگر تحقیقاتی افسر اس دور کے خازن اور موجودہ رجنڈر مسٹر شمشاد جلد کے سامنے یہ پس میں یاد رہے کہ اس چانسلر علامہ علاؤ الدین صدیقی صحافیوں سے کئی مرتبہ وعدہ کر چکے ہیں کہ عین کی تحقیقات منظر عام پر لائی جائیں گی مگر برسرِ تہ وہ اپنے سے کہیں زیادہ با اعتبار اور بار سونخ رجنڈر سے وہ جتنے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی کے سیارہ وسیع کے مالک اور یونیورسٹی کے فرائض میں لاکھوں روپے کے مہینہ عین کے دوران طویل رخصت پر جانے والے اہم ملازم شمشاد جلد رجنڈر پنجاب یونیورسٹی ساہا سالانہ ایک بڑی کامیابی اور لازوری کے ساتھ بدعنوانیوں کے ارتکاب اور سرپرستی کرنے کے بعد اب آہستہ آہستہ بے نقاب ہو رہے ہیں الفتح کے گذشتہ شمارے میں موصوف کے بارے میں چونکا دینے والے اشاعت کے بعد متعدد افراد نے خطیہ طور پر رابطہ قائم کر کے مزید حقائق فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے ان افراد کا کہنا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر چپ بستے کہ شمشاد جلد اس قدر طاقتور ہیں کہ اس کے خلاف کچھ کرنا یا چھپانا ممکن ہے مگر اب جبکہ مہر لائی ہے تو ملک کی اس قدیم اور عظیم درس گاہ کے علمبردار پر بغاوت اس شخص کی حرکتوں سے خود بخود پردہ اٹھنا چاہیے معلوم ہوا ہے کہ رجنڈر شمشاد جلد راج سے چند برس قبل بھائی کیسٹ سے مسائل پر دفتر آئے تھے اور وچ ان کے ہر بیٹے کے پاس ایک کار ہے، اور کیسٹ میں سرکاری راتس گاہ کے علاوہ گلبرگ میں ان کی مالی شان کو بھی گورنگے پر چڑھی ہوئی ہے ان کا اثاثہ حسابی صورت میں بڑھ رہا ہے، شاہ صاحب اپنے بیٹے کے نام پر ایک کلینک بھی تعمیر کر رہے ہیں یونیورسٹی کے گرد و نواح میں موصوف نے زمین کا وسیع رقبہ خرید لیا ہے جس پر وہ اپنے نام سے کلونی بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، علاوہ ان کے گذشتہ مٹی برس سے کیسٹ کی زمین کو ڈیویژن کے ہول کاشت کے لئے دی جاتی رہی ہے اور ٹیکس پر لینے والے تین شمشاد جلد کے اپنے آدمی ہوتے ہیں۔

رجسٹرار جلد کی اقربا پروری کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اپنے ایک برادر شیشی کو جو میٹرک بھی پاس نہیں کر سکا، خواجہ صلاح الدین کے شعبہ تعلیم، انجینئرنگ اور



دس سب کی ایک سرد شام کمزور زرد
دھوپ ٹہی کی منڈیوں کو ادوائی لہر سے دے رہے
تھی۔ گلی میں آدورفت بہت کم ہو چکی تھی مگر بدرد
کے پل پر بند پرے کے خوابچے کے پاس دو چار آدمی
گرم گرم مہنی ہوئی موزنگ پہلی کھاتے ہوئے خوش
گلیوں میں معروف تھے۔ بچے پورے قبضے کی گلیوں
میں گھوم پھر کر گئے کے خشک چھلکے جمع کر کے تھے
پل کے قریب ان چھلکوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگا
چکا تھا۔ نڈیرا خراج دے اپنی بیسکی آنکھوں سے
پل کے آس پاس کھڑے بچوں کو گھور رہا تھا۔

جوں ہی شہاب برست کے تندر سے ایک بکتا
ہوا کوئلہ اپنے پر رکھے نمودار ہوا، بچوں کے چہرے
پر رونق آگئی چند ایک تو جھوم جھوم کرتے لیاں بجانے
لگے ایک موٹے ناز سے صحت مند لڑکے نے جوش
میں آکر ایک نسبتاً کمزور لڑکے کو پکڑ کر ہرا میں
اچھال دیا اور پھل سے کرنے سے پہلے ہی سہارا دے
کر کھڑا کر دیا۔

شہاب بونے تھوڑے سے چھلکے اٹھا کر ایک طرف
رکھے۔ دیکھتے ہوئے کوئلے کی سطح پر جتنی ہوئی راکھ کو
ایک زوردار چھوٹک سے اٹایا اور پھل کے اوپر چھلکے
ڈالی کر پھونک پھونک مارنے لگے، بلکے سے دھوپیں
کی ایک بلی کھاتی لہرائی۔ پھر یہ لہر دو دھیا رنگ کی ہوئی
دھوپوں اندر دیز بونے لگا۔ پھر ایک تھنے سے شعلے نے
جنم لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ جواں ہو گئی۔ اس پس
کھڑے بچوں کے پہرے ناچتے شعلوں کی سرخی سے اور
جی سرخ ہو گئے۔

یہ کہیں اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ چھلکوں
کا آخری تنکا بھی آگ کی نذر ہو گیا۔ اس دوران اندھیرا
نہایت چمکا تھا۔ اب آگ بجھنے پر احساس ہوا۔ اکا دکا
لڑکے کھینٹنے لگے۔ وہ جانا نہیں چاہتے تھے لیکن اپنے
والدین کے حکم سے مجبور تھے۔ کچھ تو گھر سے لوگ بلانے
آپہچے اور دیکھتے ہی دیکھتے بدرد کا پل اجڑنے لگا
آگ بجھنے کے پسندہ منسٹ۔ بعد
وہاں صرف شہاب اور نڈیرا خراج دے والا رہ گئے تھوڑی
سے ٹھہرتے ہوئے شہاب نے کھلیوں سے اڑ گئے ہوئے
نڈیرے کی طرف دیکھا اور پھرتی سے ایک مٹھی موزنگ
پھلی اٹھائی اور دوسری طرف چل دیا۔

نڈیرا ٹھہرا کر اٹھا اس نے چند قدموں پر شہاب
کو جاتے ہوئے دیکھا اس کی بیسکی آنکھیں اور سست
دماغ ایک غفلت روشن ہو گئے اس نے ایک ہی جوت
میں شہاب کو گویا اور اسے فیض کے پٹے ہوئے کار
سے پکڑ کر جھجھوٹا

”حالی کی اولاد میری کام نکال کیا اٹھیا ہے“
شہاب بونے تھوڑی سے موزنگ پھلی والی مٹھی اس
کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑے سے کھا جانے والی نظروں
سے اسے گھور پھر موزنگ پھلی چھپٹی لی اور ایک زمانے
دار تھوڑی سی گردن پر چڑھا یا اور واپس آکر بڑھاتا
ہوا پھرا دیکھنے لگا۔

شہاب کے دماغ میں ایک سانحہ کئی جھنجھکی
اٹھے۔ شاید کوئی بھلا ٹھکانا آسوی بھی پہنچا ہو۔ وہ
جلدی سے گردوارے کی سیڑھی پر بیٹھ گیا اور نالی میں
پیتے ہوئے سیاہ گندے پانی کو کھینچ لگا۔ سردی کی ایک
تیز لہر اس کی ہڈیوں کو جھنسنائی۔

اب اسے ایک غفلت شدید بھوک کا احساس
ہوا۔ طرح طرح کے خیالات اس کی کھوپڑی میں کلپنا
لگے۔ اس نے سوچا اگر وہ ماسٹر انڈر ڈاک کے اُن پیٹیا
ہونے کی بجائے شیخ احمد دین کے اُن پیدا ہو تو کتنا فخر
آتا۔ شیخ کے بیٹے فیاض کی طرح اچھے کپڑے پہنتا۔ موزنگ
پھلی اور ریوڑیاں کھانے کو پیسے ملتے۔ چند لمحوں کے
لے اسے محسوس ہوا کہ وہ شیخ احمد دین کا بیٹا ہے
میں کچھ پھٹے پلٹے کپڑوں کی بجائے اس نے بوسکی
کی فیض پہن رکھی ہے جس کے جسم کو بوسے دے
رہا ہے وہ بڑھ کر نڈیرے کی بیسکی آنکھوں کے
سامنے غماپنے سے موزنگ پھلی اٹھاتا ہے اور کھانے کی
سے اس کے سر کو نشانہ بناتا ہے پھل کی بیسکی آنکھ کی
نقل آواز ہے لیکن نڈیرے کو غصے کی بجائے ہنسی آتی
ہے وہ خود اپنے بڑھ کر ریوڑیوں کی بھی ایک مٹھی پھیر کر
اس کی طرف بڑھا دیتا ہے پھر دوسرے دن وہ شیخ
سے تھوڑی سے موزنگ پھلی اور ریوڑیوں کے بدلے
پورے اٹھ آنے وصول کرتا ہے۔ شہاب کو کچھ بھری
سے آتی۔

پر شیخ تو بوا کھیت ہے اور سنگ لنگ کرتا ہے اسے
ایک دم سے شیخ سے نفرت ہو گئی اس نے فوراً شیخ
سے اپنے سارے تعلقات منقطع کر لئے پھل اس نے
دل ہی دل میں سارے محلے کا طواف کیا بدرد
کے پل سے لے کر سیسائیوں کے گرجے تک تاکہ کوئی
اچھا سا آدمی مل جائے جس کو کم از کم تصورات کی دنیا
میں ہی وہ اپنا پاپ بنا سکے۔

ابھی وہ حاجی رحیم کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اسے
اپنے قریب ترین عزیز بدرد وار سانس کا احساس ہوا اس

نئے ہڑا کر اٹھنے کی کوشش کی تو اس کا پاؤں تالی کے
لبا نہ دھے پانی سے چھو گیا اور سردی کی ایک تیز لہر ایک
بار پھر اس کی ہڈیوں کو گدگدا گئی۔ وہ نڈیر تھا، شہابو
اس کی بھیجا تک آنکھوں کو اتنا قریب پا کر ڈر گیا۔ اس کی
رگوں میں خون نمودار ہونے لگا۔ اس نے بغیر سوچے بچے
بھاگنے کی کوشش کی مگر نڈیر نے غاپنے منسوبہ آنکھوں
سے اس کا بازو تھام لیا یہ چل۔ درخوا پھر تو اٹھوٹے
شہابو کی جان میں جان آئی اور وہ چپ چاپ
نڈیر سے کے ساتھ بدر دے پل پر آگیا اور خوا پھر نڈیر
کے منہ پر ہتھوڑا دیا۔

اسے نڈیر اچھا لگا۔ اسے امید تھی کہ وہ خوا پھر
سر پر رکھنے کے بعد ایک مٹھی مونہ پر چلی تو اسے ضرور
دے گا نڈیر سے نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور نڈیر کی مڑکی
پر چل دیا شہابو کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر
دل ہی دل میں اسے ماں بہن کی گالیاں دینے لگا۔
بدر دے کا پل ایک بھیجا تک دیو کی طرح منہ کھولے
لات کی بھیجا تک آری کی کو دیکھ رہا تھا۔ دور دور تک
کوئی متفحص دکھائی نہ دیتا تھا۔ شاہ عالم کی دوکان
سے لال ٹین کی مدھم دھنشی کواڑوں کی دراڑوں سے
بھاگ کر رہی تھی شہابو چپ چاپ بدر دے کے ٹھنڈے
یخ بستہ پل پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ اچانک زور زور سے گالیاں
بجھنے لگا۔ اس نے خوب گالیاں کہیں پھر فرخ مندی کے
احساس سے تھپتھپے لگائے لگا۔ اس کے تھپتھے سکھوں کے
گرد و لہر کے کی اپنی اپنی دریاؤں سے سرگرا کر
واپس لوٹ آئے

چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ اسے ہیروانی کا
احساس ہوا اور۔۔۔ کا دماغ ایک بار پھر سوچوں کی

دلہل میں پھنس گیا۔

آخر سب لوگ اتنی جلدی گھروں کو کیوں چل
دیتے ہیں۔ کوئی یہاں نہیں۔ پھر اسے غصہ آنے لگا
اور وہ بڑا بڑا ہوتا ہوا گھر کو چل دیا۔

نگلی میں سب رکازوں سے روشنی کے دھارے
چھوٹ رہے تھے۔ ایک بار پھر اس پر گالیوں کا
دورہ پڑا ایک ایک کرنے میں ایک پے کو آرام سے ہونے
ہوئے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس
نے ایک پتھر اٹھا کر پے کے سر پر دے مارا۔ کت
چپاؤں چپاؤں کرتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔

گھر کا دروازہ حسب معمول کھلا تھا۔ اندر دلیلیاں
اپنا بھیجا تک منہ کھولے اس کی منتظر تھیں اس کے تینوں
بڑے بھائیوں میں سے ابھن تک کوئی نہ پٹا تھا شہابو
نے سوچا وہ کسی دودھ دی دالی دوکان میں بیٹھے
خوش بچیوں میں مصروف ہوں گے۔ اس کی ماں بھی
ابھی تک نہ لوفی تھی۔ زمیندار کے ہاں برتن بھی تو بیٹھے
ہوتے ہیں اسے فارغ ہوتے ہوئے گیارہ تو بچ ہی جاتے
ہیں اور جب تک ماں نہ آئے کھانا بھی نہیں آتا اور
کھانا نہ کھا یا ہو تو بھوک لگتی ہے اور بھوک لگے تو ساتھ
ہیں سردی لگتی ہے اور سردی لگے تو گھٹنے کے چھلکوں
کی آگ یاد آتی ہے۔

وہ کوئے میں چھلکا چار پائی پر گھڑی بنے باپ
کی طرف بڑھا۔

”چاچا۔ ماں نہیں آئی؟ بھوک لگی ہے۔“

ماسٹر اسٹوڈنٹ نے بیٹھے ہوئے لمحات کے کسی
سوراج میں سے منہ نکال کر شہابو کو گالیاں دینے
کی کوشش کی جن میں سے اکثر اس کی کھانسی اور اکھڑے

ہوئے سانس کی وجہ سے ناسمک رہ گئیں۔

”... تمہیں کھانے کے علاوہ کچھ سوچنا ہے؟“

شہابو خاموشی سے مڑا اور صحن میں مرغیوں کے

ڈربے کے قیتچے پوشیدہ دیوار کی اکھڑی ہوئی

اینٹوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس نے کئی بار ماں

کو وہاں روٹی پھپھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس ساری

کوششیں بیکار ثابت ہوئیں وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ایک

اینٹ اس دوران اپنی جگہ سے گر گئی اور اینٹ کے گرتے

ہی اسے اپنے باپ کی زہریلی بھٹی آواز سنائی دی

”وٹھو وٹھو۔ خوب وٹھو وٹھو۔ وہاں زہر کا پتہ“

پھر شہابو نے شدید کھانسی کی آواز سنی وہ چپکے

سے باہر نکل آیا۔ ٹھنڈی سی ہوا سے اسے جھرجھری

آگئی۔ وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

ٹھوڑی دیر کے لئے بھوک پر سردی کا احساس غالب

آگیا ساری دنیا ایک گرم گرم لمحات بن گئی شہابو اس کی

طرف بڑھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح اس

لمحات میں چھپا لیا مگر سردی کا احساس کم نہ ہوا

دور کتیا کے عزائے کی آواز سن کر وہ چوک پڑا

ماہی بیچ کے برآمدے میں اس کی کالی کتیا دھکی پڑی تھی

اس کے بچے اس کے سینے سے چٹے ایمان تک اسے

بھینچوڑ رہے تھے۔ شہابو نے ایک بار پھر تاریکی میں گھورا

کر شاماس کی ماں آ رہی ہو۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

اس کا دل دھڑکنے لگا اس کے سینے میں نفرت کا لہجہ

اٹھنے لگا۔

سارا ون غائب رہی ہے رات گئے آتی ہے اور

پڑ کر سو جاتی ہے اور اس کے بعد گالیوں کا ایک طوفان

آگیا جس میں ماں کی محبت ایک تھکے کی طرح بہہ گئی۔

روپیہ بچانا

اب وقت کی اہم ترین

ضرورت ہے

تک کو آپ کی بچت کی جگہ

ہے اپنی اہم ضرورت ہے

حبیب بینک

پاکستان میں ۱۰۰۰ سے زائد شاخیں

اٹھا دھواں

دوڑے مل دی

پتے مل دی

اوچی چینی دے منہ دچوں

دھواں اٹھے

تے اجر دی ٹیسی دتے

اڈا داجاتے اڈا داجاتے

مل نون آج نہ آتے

مزدوراں دی حیاتی دچوں

دھواں اٹھے

کالا دھواں

مل دی چینی جھات نہ پاتے

چٹا مل

جان بچھ کے

سوردا س بن جاتے

مزدوراں دی حیاتی دچوں

اٹھا دھواں

مزدوراں نون کھا جاتے

غزل

سنتا ہوں جب بھی غور سے میں صبح کی اداں دل میں ابھرنے لگتی ہے جذبوں کی کہکشاں
 کاغذ پر آکے لفظ یوں دیتا ہے روشنی جیسے کسی غریب کا جلتا ہوا مکان
 بہارا رہا ہے جبر کا پرچم فضاؤں میں چپ چاپ تک رہتا ہے بلندی سے آسمان
 سائے سمٹ رہے ہیں سیاہی کے خوف سے لرزاں ہیں اونچے اونچے درختوں کی ٹہنیاں
 آنکھیں کھلے کواڑ ہیں چہرے لٹے سہاگ پہلے تو یوں نہ تھیں مرے گاؤں کی لڑکیاں
 یارب دعا ہے شہر کے بچوں کی خیر ہو آندھی سے چپخنے لگیں ہر گھر کی کھڑکیاں
 وہ دھول ہے کہ سانس بھی لینا محال ہے وہ دھوپ ہے کہ دن میں قیامت کا ہے سماں
 کوفہ بھی ہے نیرید بھی اور کر بلا بھی ہے ابن علی کے چاہنے والے مگر کہاں
 جیسے لب فرات ہوں خیمے جلے ہوئے اب نیک خواہشات پر ہوتا ہے یوں لگاں
 پہنچا ہوں کتنی دور میں تیری تلاش میں رستے لہو لہو ہیں فضا میں فغاں فغاں
 وہ خود نا جو خود کو سمجھتا رہا حسدا اس شخص کی زباں بھی نہ تھی دل کی زجھاں
 بازار کو چلا ہے تو دامن بھی دیکھ لے سستی بجز بشر کے نہیں کوئی شے یہاں

نبھتے چراغ جلتے ہوئے لوگ کاظمی

اس دور ارتقا کے فاصلوں کی مٹیاں

انقلاب چین نے

غریب کشتی بالوں کے دامن میں

پیکنگ سے احفاظ ال



ایک چینی استاد جب کہ مطالعہ میں مدد دے رہا ہے

ان سے کچھ تحائف وصول کرتا تھا۔ پھر انہیں اس کے لئے بیکار بھی کرنی پڑتی تھی۔ کشتی کے لوگ دریائیں جو کئی سوڑی سبزیاں اور بچوں بھینکے تھے، وہ انہیں اُبال کر کھاتے تھے۔ انہیں ایک پیچھے کے علاوہ دوسرا پیچھا کبھی میسر نہیں ہوا، ایک کتے کے کھانے کے بعد دوسرے وقت کا کھانا یعنی نہیں ہوتا تھا

نے انہیں وہ خوشیاں دی ہیں جن کا وہ کبھی تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔

اس محلے میں رہنے والے کشتی بان جب اپنی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں، لیکن دوسرے ہی لمحے ان کے چہروں پر ماضی کا تلخ زندگی کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں۔ پرانے نظام سے نفرت کا جذبہ ان کی آنکھوں میں جھلکے لگا ہے۔ جب کوئی اچھی ان کی پرانی زندگی کے حالات سناتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ماضی میں یہاں کتنے فصد کشتی بان کشتیوں پر رہتے تھے۔ انہیں کشتی پر رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی اپنی پانی کی دیا تھی۔ وہ دن بھر اپنے مضبوط ٹونانا کھتوں سے چبھلائے تھے اور رات کو اپنے پوری بچوں کے ساتھ ان چھوٹی چھوٹی اُپر چھری جھونپڑوں میں پڑ کر سو رہے تھے۔ کشتی پر رہنے والوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے بچے کشتی پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ نوے فیصد سے زیادہ افراد ایک طرف تک نہیں پڑھ سکتے تھے۔ مرنے کے بعد انہیں زمین میں دفن ہونے کے لئے دو گز زمین تک نہیں دی جاتی تھی۔ کشتی پر رہنے والے انہیں اندر سے والے اور اندر سے والیاں رتاناؤں کہنے لگتے تھے۔ چینی زبان میں یہ لفظ حقارت کا اظہار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ان پر ان گنت ٹیکسوں کا بوجھ تھا۔ یہاں تک کہ ان کی ویران کشتیوں پر جو کچھا بچھا سا چراغ جلتا تھا۔ اس پر بھی انہیں ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ سال کے موقع پر بندرگاہ کا ٹیکس کیڈریجری طور پر

کو اچھو میں دریائے پارل رور پارل رور کا شہر ہے۔ یہ دریا شہر کے اندر سے گزرتا ہے، لوچہ ایک مضبوط پل دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے جس پر خاصا سیوی ٹریفک ہوتا ہے اس کے مشرقی کنارے پر بہت سی بلڈنگز ہیں کھڑی ہوئی ہیں جن میں صنعتی نمائش کی عمارت اور شہر کی سب سے بلند عمارت بھی شامل ہے، دوسرے کنارے پر سب سے پہلے جب چیز بر نظر پڑتی ہے۔ وہ پیلے رنگ کی پانچ چھ منزلہ عمارتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، دریا میں برطانیہ کی قسم کی کشتیاں ایٹھمڈاٹے جاتے نظر آتے ہیں، یہ کشتیاں کو اچھو میں نقل و حمل کا ایک اہم ذریعہ ہیں، مختلف قسم کی اشیاء سے بھری ہوئی کشتیاں نیزی سے ادھر ادھر کی طرف کی کشتی بان رہا ہوتی ہیں۔ لڑے ہوئے ہیں۔ مستعدی کے ساتھ چبھلائے ہیں۔ بڑی حرارت اور تڑپ کے ساتھ نئے چین کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے سر طرہ مصروف عمل نظر آتے ہیں، دریا کے چو کے دوسرے کنارے پیلے رنگ کی پانچ چھ منزلہ عمارتوں کا جو سلسلہ پھیلا ہوا ہے، وہ انہیں کشتی بالوں کا محلہ ہے جس میں وہ ایک نئے سرے سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

نئے چین کی نئی اور روشن زندگی کا ذکر آتا ہے تو پرانے تلخ دنوں کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چین کے نئے نظام کے صدیوں کے کچلے ہوئے لوگوں کے دامن میں کتنی آنکھیں ہوشیار بھردی ہیں۔ انہیں ان رنگوں سے آشنا کیا ہے جن سے صدیوں سے نا آشنا تھے۔ اس



چھانگشا کے مرکزی بازار میں احفاظ الرحمن ایک ویتنامی کامریڈ کے ساتھ

بیکنگ سے شاوشان تک

خوشیوں کے پھول بھریے

الحسن نے لکھا



ایک کسان طالب علم شن والیہ بورڈ کے طلباء کو اپنے تجربات سے آگاہ کر رہا ہے

بہت سے کشتی بان اس زندگی سے ہزار ہوں کو دوسری جگہ بھاگ جاتے تھے، آئے دن دریا میں کشتی بانوں کی لاشیں تیرتی نظر آتی تھیں، غلامت میں لٹھڑے ہوئے ان کے بچے بیمار پڑتے تھے تو ان کے والدین انہیں دوا فراہم نہیں کر سکتے تھے، خود ہی لوٹ پوٹ کر ٹیفیک ہو جاتے یا ان کے والدین کی مرضیوں میں ایک اور محرومی کا اضافہ ہو جاتا اور دیبا میں ایک اور لاش تیرنے لگتی، کو منٹا ننگ کے ظالم غنڈے انہیں بات بے بات روٹی کی طرح دھن ڈالتے تھے، اگر کسی کشتی بان کے تین لڑکے ہوتے تھے تو ان میں سے دو کو کو منٹا ننگ فوج میں جبری طور پر بھرتی کر لیا جاتا تھا، اگر اس کے دو لڑکے ہوتے تھے تو ان میں سے ایک پر کو منٹا ننگ کا حق ہوتا تھا، اور جب وہ جاتے تھے تو کبھی واپس نہیں آتے تھے، بہت جلد توپوں کا انہیں من بن جاتے تھے، کشتی کھینچے کھینچتے ان کے والدین کے بال سفید ہو جاتے اور تار یک دنیا سے نکلنے کی خواہش اپنے سینوں میں سمیٹے بیٹھ کے لئے اپنی آنکھیں موند لیتے، جس طرح وہ کشتی پر تہیں جاسکتے تھے، اسی طرح ان کے دکھوں کے لئے بھی خوشیوں کا کوئی کنارا نہیں تھا، اگر کسی کا کوئی لڑکا نہیں ہوتا تھا، تو اسے اس جرم میں ایک اور ٹیکس ادا کرنا پڑنا تھا، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا، کہ لڑکے فوج میں نہیں جانا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر وہ گئے تو کبھی واپس نہ آئیں گے اس لئے انہیں اس جبری بھرتی سے بچنے کے لئے کو منٹا ننگ کے ظالم حکام کو رشوت دینی پڑتی تھی، اس

کے باوجود اکثر صورتوں میں وہ بروکشی آکر ان کے لڑکوں کو پکڑ لے جاتے تھے، بہت سے بھاگ نکلنے تھے، لیکن اکثر بچہ لے جاتے تھے اور ان کے سر مونڈ دیئے جاتے تھے تاکہ دوبارہ بھاگیں تو آسانی سے شناخت کر لئے جائیں اور پھر وہ ان کو اتنی اذیتیں دیتے تھے کہ انہیں دوبارہ بھاگنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، ٹھوڑا بہت جیب کام ملتا تھا، تو انہیں اگلے وقت کے کھانے کا آسرا دیا جاتا تھا، درنہ اکثر ہیٹ پر پیچیر باندھ کر سوتا پڑتا، بہت سے کشتی بانوں کو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اپنے بچوں کو چھٹا پڑتا تھا، کتے کشتی بان کشتی پر اپنے کی تمنا دل میں لئے اس دریا سے رخصت ہو گئے، زمین جو مال ہے زمین جس کی چھاتی سمندر جتنی وسیع ہے ان سے قریب ہونے کے باوجود بہت دور تھی۔

اب یہ ان کی پہلی نسل ہے جو کشتی پر آباد ہوئی ہے۔ ہم دریائے چو کے دوسرے کنارے پیلے رنگ کی ان آدھی اونچی بلڈنگوں میں سے ایک بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں کشتی بانوں کے محلے کی انقلابی کمیٹی کے راکبین سے بات چیت کر رہے تھے انقلابی کمیٹی کا ایک رکن بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہہ رہا تھا، ہم جیرین ماؤ کے احسان مند ہیں، ہم انہیں کبھی نہیں بھول سکتے، انہوں نے ہمیں نئی زندگی عطا کی ہے، ہماری کشتی نیلس زمین کی ہیک سے نواشتار ہیں، ہم ہزاروں سال سے پانی میں رہتے آئے تھے، اب ہماری پہلی نسل زمین پر پروان چڑھ رہی ہے، اسے اوپر سکیوں کا بوجھ نہیں ہے، ہم ہیٹ

بھر کر کھاتے ہیں اور اچھا لباس پہنتے ہیں، ہمارے بچے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب یہاں ہماری حکومت ہے، ہم اپنے مسائل خود حل کرتے ہیں۔ اب ہم ہر کسی شخص کو حکم چلانے کی جرأت نہیں ہوتی، ہم جیرین ماؤ کے احسان مند ہیں، وہ ہمارے نجات دہندہ ہیں، اس نے اپنی شرفی کتاب اوپر اٹھائی اور جوش و خروش سے نعرہ لگایا، ناؤ جوشی واں سوئے، (جیرین ماؤ زندہ باد)

یہ لڑکیاں جن میں کشتی بانوں کی پہلی نسل آباد ہے ۱۹۶۴ میں تعمیر کی گئی تھیں، کل ۵۸ بلڈنگیں ہیں جو تین منزلہ سے لے کر چھ منزلہ تک ہیں، اور ان میں کل ۲۹۳۰ افراد رہتے ہیں، ان کا ایک نمائندہ گونچو کی انقلابی کمیٹی کا اور دوسرا نمائندہ کیونسٹ پارٹی کی صنعتی شناخت کارکن ہے

ان کے علاقے میں چار پرائمری اسکول کھڑے جا چکے ہیں، جن میں سے ایک اسکول ہم نے بھی دیکھا، بہت بڑی عمارت تھی، جس میں کل اٹھارہ سو بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اساتذہ کی تعداد پچیس ہے، یہاں ایک کلینک بھی ہے جس میں مغربی طب کے ماہر ڈاکٹر کام کرتے ہیں جن میں سے ایک ڈاکٹر بھی یہاں ہے، ان کے علاوہ چینی طب جانتے والے دو ڈاکٹر بھی یہاں موجود ہیں، ایک بڑی مارکیٹ اور بہت سے اسٹور ہیں یہاں اماح، سبزیاں اور گوشت سے لے کر ہر چھوٹی بڑی چیز خریدی جا سکتی ہے۔

ران کے آٹھ بجے تھے اور ہم اس علاقے کا چکر لگایے

کو منٹا نگ کے عہد میں انہیں چراغ پر بھی ٹیکس دینا پڑتا تھا

تھے تمام ملز ٹیکس روشنی سے جھگڑا رہی تھیں۔ بلی کی گری پڑ رہی تھی۔ لوگ بالکونیوں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بلیوں میں کھینٹے بچوں کی نظر ہم پر پڑی تو وہ ہماری طرف دوڑ پڑے، دھیرے دھیرے ہمارے گرد لوگوں کا دائرہ بھیلتا جا رہا تھا۔ ہر چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ ہر آنکھ میں اپنا بیت جھلک رہی تھی۔ ایک قدیث میں ایک نوجوان اونچی لے میں کوئی چینی ساز بجا رہا تھا۔ ایک طالب علم ٹیبل ٹیپ کی روشنی میں سر جھکاتے مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک بچہ زور زور سے روئے سے جا رہا تھا اور اس کی ماں پیار سے اسے چمکا رہی تھی۔ جھتوں کے سائے رنگ خوشیوں کا تمام حسن وہاں سمٹ آیا تھا۔ ہر طرف رونق تھی، ہلچل تھی، تڑپ تھی، یہ وہ اندسے والے اوڈنڈے والیاں تھیں جنہیں مٹی کے چراغ کا ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ جنہیں زمین میں دفن ہونے کی اجازت نہیں تھی اور جنہیں رشوت دینے کے باوجود زبردستی قوت میں بھرتی کر لیا جانا تھا۔ جیسے انقلابی کمیٹی کے رکن کا جلا باج رہا تھا، یہ ہماری پہلی نسل ہے جو خوشی پر آباد ہوئی ہے۔ ہم صدر ماؤ کے حسان مند ہیں، وہ ہمارے نجات دہتا ہیں، 'ناو جو شتی وان سوئے'!

ہم ایک بوڑھے کشتی بان کے قلیب میں گئے جواب ٹیائوڈ ہو چکا ہے، دو دن سے پورے خانڈان نے گرجو شتی کے ساتھ گزارا خیر مقدم کیا، یہ گھڑا پھرتا فرد پر مشتمل ہے، اس کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جو جوان ہو چکے ہیں اور مختلف اداروں میں کام کرتے ہیں اس کی بیوی جو بھاتی خورگوں کی طرح بڑی بے تکلف اور سادہ دلی تھی، ہمارے لئے کنبلی سے پراووں میں جینی چائے لے آئے تھے وہ بڈر جینی کے پیتے ہیں، بوڑھا کشتی بان ہمیں سگریٹ پیش کر رہا تھا۔ میں نے کرے پر ایک چھٹی تنقیدی نظر ڈالی، کھڑکیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر جڑ پین ماؤ کی تصویر لگی تھی، بلی تھیں، ایک بڑی میز اور چند کرسیاں بڑی قرینے سے رکھی ہوئی تھیں دیرمیز اور کرسیاں ریٹائوڈ کشتی بان نے اپنی پرانی کشتی کی کھڑکی سے بنائی ہیں، بوڑھا کشتی بان کہہ رہا تھا۔ ہم آپ کے شکر گذار ہیں، ہم آپ کا خیر مقدم کرنے میں دینا بھر کے عوام ایک جیسے ہیں، مشروع مشروع میں دونوں طرف جو جھجک تھی وہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ گرجو شتی کے ساتھ ہمیں اپنی زندگی کے حالات بتا رہا تھا۔ ریٹائوڈ ہوئے سے پہلے اسے سویڈن اور سو سو روپے ہالمانڈ تھا، اٹلی تھی، اور اب اسے اس کا ستر فیصد حقہ یعنی ستر سو روپے پیش کے طور پر ملنے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے بیٹے اور بیٹیاں بھی کام کرتی ہیں اور اب

ان کی آمدنی اتنی معقول ہے کہ وہ بڑی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، جب ہم نے اس کے مافی کے بایس میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ ہم میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں تھا، ہم دن رات محنت کرتے تھے لیکن ہمیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نہیں ملا اس کی بوڑھی آنکھوں کے ٹھنڈے پچھے مافی کی ساری تلخیاں جھلک رہی تھیں کو منٹا نگ کے حکام بہت ظالم تھے، وہ عوام کے دشمن تھے اور دولت مندوں کے اشاروں پر بنا جتے تھے، وہ زبان سے عوام کا دم بھرتے تھے لیکن دراصل وہ موقع پرست اور جاہ پرست تھے ہمیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم دن بھر محنت کرتے کے باوجود رات کو بھوکے کیوں سوئے ہیں۔ اگر تیرہ تین ماؤ نہ ہوتے تو ہمیں فلاحی کی اس زندگی سے نجات ملتی:

اس نے کہا آزادی سے قبل کی آمدنی کے بایس میں کچھ بتانا مشکل ہے کیونکہ کو منٹا نگ کی کوئی غیر مستقیم تھی، اس میں انارچیزم تھا، ہوتا رہتا تھا اور آج کے مقابلے میں اشتیاقی قہیتیں بھی زیادہ تھیں یوں سمجھ لیجئے کہ بسنے کے بعد جو رقم ملتی تھی۔ اس سے ۶ جن ڈنفریا تیس سیر چاول خرید لیا سکتا تھا، جبکہ اب اتنا چاول صرف آٹھ دیوان رسولہ روپے میں ملتا ہے۔

ریٹائوڈ کشتی بان نے ہمیں گرجو شتی کے ساتھ رخصت کیا اور ہمیں دوبارہ اپنے گھر آنے کی دعوت دی اس کے بعد ہم ایک اور کشتی بان کے گھر گئے، یہ خاصا بوڑھا تھا، بوڑھے میاں بوی کے علاوہ چار لڑکے اور دو لڑکیاں

ہم آخری

دم تک طبقاتی

جدوجہد

کرتے دھیں گے

ہیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی شادی شدہ ہے، بڑی بی بی ماں بھی انہیں کے ساتھ رہتی ہے، اس گھر میں دو تین چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں سب ہمارے سامنے آکھڑ ہوئے انقلابی کمیٹی کے ایک رکن نے ان سب کا تعارف کرایا۔ سب شرماسے رہے تھے ایک بچہ سو رہا تھا جسے اس کی ماں اٹھا کر لائی تھی کہ وہ غیر ملکی

مہانوں کی زیارت کر لے، بات چیت شروع ہوئی بڑے میاں ذرا خاموش طبع تھے، بڑی بی زیادہ بول رہی تھیں، اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ کبھی کبھی مسکراتی باتیں سنا دیتے کہ یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بڑی بی نے بتایا کہ ان کا ایک لڑکا پہلے سیاحی تھا، اور اب جہاز سازی کے کارخانے میں کام کرتا ہے، دوسرا میٹھا پہلے ٹھکانے کے کارخانے میں کام کرتا تھا اور اب سیاحی بن گیا ہے۔ ٹیسرے میٹھا اپنی اسکول کی تعلیم حاصل کر چکا ہے اور اب ایک اسکول میں ٹیچر ہے، سب سے چھوٹا بیٹا جو ٹیچر ملال اسکول کے آخری سال میں ہے، بڑے میاں ایک کارخانے میں کام کرتے ہیں۔

یہ بڑی بی خود بھی اپنے انھوں سے کشتی چلاتی رہی ہیں۔ اس لئے مافی کا ذکر کرتے وقت ان کا لہجہ بہت تلخ ہو جاتا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برسوں کی بھری میٹھی جوں، بڑی بی نے تکلفی کے ساتھ بات کر رہی تھیں اور ذرا سی بھی اجنبیت محسوس نہیں کر رہی تھیں۔ اس کے ماڈر میں مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہوا کہ وہی اس کائنات کا مالک ہے، کام ہوتا تھا۔ تو کھانا ملتا تھا، ورنہ ہم چپ چاپ کوٹے میں دیک کر منہ پھپھاتے پڑے رہتے، ہمارے باروں کے غنڈہ ہات بے بات ہم پر ڈنٹ پٹکا کر کے رہتے تھے، پولیس الگ تنگ کرتی تھی، ہم پر ہر خوف و دہشت طاری رہتا تھا وہ کہتے ہیں خوشی میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ زمین ان کے باپ کی تھی، ہمارے بچے ننگے پھرتے تھے اور ان کے بچے کاروں میں گھومتے تھے، ہم کام کرتے تھے اور وہ اپنی کھٹوں میں مرنے کی نیند سوتے تھے، اب ہمارے بچے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم روشن ہوا دار قلیبوں میں رہتے ہیں۔ ہمیں زندگی کی تمام خوشیاں میسر ہیں، ہم کھیلے لوگوں کو یاد کرتے ہیں تو ہمارا طبقاتی شعور بلند ہو جاتا ہے ہم طبقاتی جدوجہد کرتے رہیں گے

جی بی تیرو تیکھے لہجے میں بولتی رہیں اور بڑے میاں مسکرا کر سر ہلاتے رہے، پچھلے اپنی ماؤں کی گودوں میں بیٹھے ہوئے بڑے عورتوں سے وائیکو پھینگو (میزملی) دوسلوں کی طرف دیکھتے رہے، میری نظر بار بار دیوار پر لگی ہوئی چہرہ بین ماؤز سے تنگ کی تصویر کی طرف ڈھانچا ان کی روش، فرائض بینائی کے اندر کتنا جلی انقلاب مٹا ہوا تھا۔

انقلابی کمیٹی کے کارکن ایک بار پھر ہمیں اپنے دفتر میں لے گئے۔ ایک بار پھر ہمارے پیالے چائے سے بھر دیتے گئے اور

وہ بورژوا طبقہ سماجی کارکن اور امریکی صد کے دشمن ہیں



دیتھرین کے کارکن ڈیانا اوٹس

اس تنظیم کے کارکن
لکھ بلیوں کے چشمہ و چراغ ہیں



فلوریڈا کے مکان کا طبقہ

نون - الف

جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو ان کے منہ میں پاندی کا چھپرہ ہوتا ہے انہیں ہر طرح کی آسائشیں میسر ہوتی ہیں، مگر سب وہ بچپن کی مدد سے نکل کر جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے دل میں سوسائٹی کے خلاف نفرتوں کا سمندر مٹا نہیں مارتا ہے۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں ہم ہوتے ہیں، ان کی موت کبھی کبھی بے حد المناک ثابت ہوتی ہے عام طور پر ان کے والدین امیر ہوتے ہیں وہ اسلے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ چھٹیوں میں انہیں لینے کے لئے گھر سے نفیس اور قیمتی گاڑیاں آتی ہیں۔ پھر بھی ان کی پوری زندگی بے چینی اور بے اطمینانی میں گزرتی ہے۔

اس عجیب و غریب گروپ سے تعلق رکھنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے آپ کو دیتھریٹ کہلاتے ہیں۔ امریکہ میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہے جس کی سنگریٹ پیٹے ہیں اور خزیروں کو قتل کرنے کی قسم کھاتے ہیں۔

سیری زندگی کا مقصد سوسائٹی کے ان

خزیریوں کو قتل کرنا ہے اور میں بھی اس عظیم مقصد سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔ دیتھریٹ میں "سور" کی اصطلاح کن لوگوں کے لئے استعمال کرتے ہیں؟ ان کے انتقام کا نشانہ سوسائٹی کا کوئی شخص بھی بن سکتا ہے، مگر ان کا بنیاد کا نشانہ سور ہی ہیں۔ ان کی نفرت میں پولیس مین، جج، اہل اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والے شرفاء سماجی کارکن اور امریکہ کے صدر غنیری ہیں۔

برنارڈ اوٹس دیتھریٹ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اسے اپنے گھر سے اور اپنے والدین سے سب کچھ ملا جو ایک امیر خاندان سے تعلق رکھنے والے لڑکا یا لڑکی کو حاصل ہونا چاہیے اس کے باوجود اپنے ماحول سے بیزار ہو گئی۔ بیزاری اس حد تک بڑھی کہ اس نے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس کے دل میں اچانک انتقام کی آگ کہاں سے جل گئی، اس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہیں۔ ماہرین سماجیات اور نفسیات کا کہنا ہے کہ اسے نفرت ورثے میں ملی۔ اس نے ہوش بنبھاتے ہی دیکھا۔ اس کا باپ دوسرے کا استحصال کر کے اپنی دولت میں بے پناہ اضافہ کر رہا ہے۔ اس کے والدین دوسروں کو اپنے مقابلہ میں

کتر سمجھتے ہیں، گھر کی لونڈیوں، باندیوں اور ڈاکو کے گھر سے جہانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے جہاں وہ بیٹھتے ہیں جو وہ کھاتے ہیں۔ اس جگہ انہیں بیٹھنے کی اجازت ہے نہ کھانے کی ہر ڈان کو اس ماحول سے نفرت پیدا ہو گئی، اگر اس کی نفرت کو صحیح سمت موڑ دیا جاتا تو شاید وہ ادھر کے دوسرے ساتھی کارکن انقلابی بن جاتے۔ ان کی نفرتوں کا مرکز وہ بننے بلکہ سوسائٹی کے کہنہ مروجہ اصول بننے جو انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا درس دیتے ہیں

برنارڈ اوٹس مقامی اسکول کی ذہن ترین طالبہ تھی اس نے اسکول کے سارے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے الفامات بھی ملے۔ لیویرسٹی آف شکاگو آف لام اسکول سے انگریز میں کامیاب ہوئی وہاں سے نکل اچانک وہ دیتھریٹ گروپ میں شامل ہو گئی یہ وہی لڑکی ہے جو دیتھریٹ کے کونش میں خزیروں کیٹ کے قتل پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہے انہوں نے ان خزیروں کو قتل کیا، پھر اسی کرے میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کرہ میں ان کی لاشیں پڑی تھیں۔ کس قدر پرمشوق واقعہ ہے۔"

دیتھریٹ کے کارکن جنس کو کوئی اہمیت نہیں

اُن کے ایک ہاتھ میں مشین گن اور دوسرے ہاتھ میں گیتار ہوتا ہے

دیتے۔ اس معاملہ میں صحت فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ اس گروپ کے ایک کارکن نے ایک اخباری نمائندے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ”آپ نے جنس کو فروخت ہونے والی ایک اشیاء کا درجہ دے دیا ہے جس کے پاس مال ہے وہ اسے خرید سکتا ہے جس کے پاس خریدنے کے لئے روپیہ نہیں وہ زندگی بھر محروم رہتا ہے۔ ہمارے یہاں مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے قریب آنے کے لئے رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے ایک نوجوان کا لیلٹا بی کافی ہے کہ وہ کس لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ صحت پرانے جوڑے کو علیحدہ رہنے کی اجازت ہوتی ہے دیکھ بیٹوں کے بارے میں ایک سروے کیا گیا جس کے مطابق تقریباً تمام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کوہنچی اور کردہتی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ بیل آئز کا باپ تھوس آئز ایک کردہتی آدمی ہے اور کامن ویلتھ اینڈ لین، شاگوبلی کمپنی کا صدر ہے۔ بلی آئز اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اسکول بھیجا گیا۔ وہ نیز معمولی زمین ثابت ہوا۔ اس کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا رہا۔ اس کے بعد وہ سوسائٹی کو تباہ کرنے والے گروپ میں شامل ہو گیا۔ اس نے مشین گن کے ایک علاقہ میں آ رہے ہیں دیکھ کر من کی ایک شاخ قائم کی۔ اس کا نام ڈی آپ رکھا اس گروپ کے کارکنوں کی تصویریں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بیشتر ارکان کی عمر ۱۷ سال کی ہے ان کے پاس رائفلیں ہوتی ہیں اور سنگین کے ساتھ گیتار بندھا ہوا ہے۔

۸۔ اکثر کو اس گروپ نے ایک چار روزہ ملک گیر مہم شروع کی تھی۔ جس میں انہوں نے فوجیوں سے کہا کہ وہ اپنے انشروں کے خلاف تھیابند کر لیں شکاگو کی سڑکوں پر پولیس سے لڑائی کی جائے اسکول کی عمارتوں پر دیت نام کا پرچم لہرایا جائے۔ اور ان تمام کارروائیوں کے دوران الجزائر کی انقلابی حمایت کی طرح اپنے منہ سے ای ای ای ای یا یا یا یا یا کا نعرہ بلند کرتے رہیں۔

گرفتار ہونے والوں میں کئی بویں اور کچھ دیگر سن شامل تھیں جن کو اقدام قتل کے جرم میں

گرفتار کیا گیا اسے دس ہزار پاؤنڈ کی ضمانت پر رہا کیا گیا۔ اس کا باپ ایک مشہور قانون دان ہے اس نے خود اپنی بیٹی کی ضمانت لی۔

کیتھ نے فلاڈلفیا کے صوبے سے اعلیٰ اور شاندار اسکول میں تعلیم حاصل کی اسکول کی تعلیم کے بعد وہ برائن ماڈر کاٹ میں داخل ہوئی کیتھ لیڈن ڈاکٹر سن اس کی انقلابی دوست ہے اس کی عمر ۲۶ سال کی ہے۔ وہ جیس پلاٹ ڈکٹر سن کی لڑکی ہے۔ جو چار ریڈیو اسٹیشنوں کے مالک ہونے کے علاوہ ایڈورڈ ٹانگ انکریٹیکو بھی ہے۔ اس نے سوار کٹر مور کے ایک ایسے کالج میں انڈیم حاصل کی ہیں

اُن کے دل میں سوسائٹی کے خلاف نفرت کی آگ دہکتی ہے

داخلہ کی دس درخواستوں میں سے ایک درخواست پر غور کیا جاتا ہے۔

یہ عجیب و غریب عادات و اطوار اور حرکتوں سکائٹ کے نوجوانوں پر مشتمل ایک پراسرار تنظیم ہے اس کی ممبر شپ کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں ان کے منشور میں کہا گیا ہے: ہم لوگ اس ملک میں تشدد کا واحد ذریعہ ہیں انقلابی راہ عمل اختیار کرنے میں تشدد دکرنا ہی پڑتا ہے ہم لوگوں کا دھاک کریں گے۔ اور مختصر یہ وہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے وہ وقت آگیا کہ ہم مسلح حملوں سے موجودہ حکومت اور سوسائٹی سے ٹکریں۔

شکاگو میں دیکھ بیٹوں کے ہیڈ کوارٹر میں

نیویارک پولیس ہیڈ کوارٹر کو کم سے اڑا دینے کا ایک منصوبہ بنایا گیا۔ ہدایات جاری کر دی گئیں مگر بعد میں کسی طرح یہ سازش ہو گیا اور بے شمار گرفتاریں عمل میں آئیں ایک مرتبہ دیکھ بیٹوں ہیڈ کوارٹر سے ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ فرصت کے اوقات میں تقریب میں حصہ لے سکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر نیویارک کے ایک کروڑ بی کے گھر کو کم سے اڑانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اس کام کے لئے انقلابیوں کی ایک پارٹی ترتیب دی گئی جس میں کیتی ڈکٹر سن کے علاوہ ایک نوجوان لڑکی ڈیانا ڈون بھی شامل تھی۔ کہا جاتا اس کی زندگی روزناموں کی طرح تھی۔ اس کے دادا نے امریکن ہوائے اسکاٹ کی تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا باپ ایک بنگ اور کئی کمپنیوں کا مالک ہے مگر وہ ابتداء ہی سے امپرائزمنٹ باٹ اور عیش و عشرت کی زندگی سے نفرت کرتی تھی وہ دیکھ بیٹوں تحریک میں شامل ہو گئی۔

۹۔ مارچ کی ایک اندھیری رات کو دیکھ بیٹوں کے چھ کارکن ایک چھوٹے سے کمرے میں نیویارک کے ایک اداکار ڈسٹن ہوف میں کے گھر کو کم سے اڑانے کا عہدہ کر رہے تھے۔ اس قیم میں ڈیانا ڈون بھی شامل تھی لیکن بد قسمتی سے بلم رکھنے کی جگہ اور ٹانگ میں کچھ غلطی ہو گئی، اداکار کی رہائش گاہ کا اگلا حصہ دھماکہ سے اڑا اور اس کی کھڑکیاں۔

دروازے اور چھت سلسلے والی سڑک پر اگری جس میں دیکھ بیٹوں اور تین کارکن بھی دب کر ملاک ہو گئے۔ مرنے والوں میں حسین لڑکی ڈیانا ڈون بھی شامل تھی۔

امریکی پولیس نے سوسائٹی کے باغی گروپ سے تعلق رکھنے والے انقلابیوں کو گرفتار کرنے کے لئے پورے ملک میں اپنا جال پھیلا دیا ہے۔ جو گرفتار ہوتے ہیں ان پر بے پناہ تشدد کیا جاتا ہے۔ جو گرفتار نہیں ہوتے اور ابھی بے شمار کارکن گرفتار نہیں ہوئے تشدد کی تبلیغ کرتے ہیں اور مرتے ہوئے سماج کے غمخیزوں کے لئے موت کی سزا تجویز کرتے ہیں۔

۱۰۵ روسی سفارتی افسروں کا اخراج

روس کے لیے بہت بڑا صدمہ

روزنامہ کا مجلہ کے جی بی کا ہیڈ کوارٹر

تسليم آردی

یہ لندن کی اسٹریٹ ماربرور ہے۔

یہاں ایک غیر میٹ کی عادت کے باوجود شہر اخباری نمائندے شدید سبے چینی کے عالم میں نہیں رہے ہیں۔ انہیں ایک گرم سستی خیز اور غیر معمولی اہمیت کی حامل خبر کا انتظار ہے۔ چند لمحوں کے بعد انہیں بتایا گیا۔ سوویت ٹریڈ افسر ایک لیان ۴۴۳۔ مندرجہ ذیل نوائے گئے الزامات کا تسلی بخش جواب دینے میں ناکام رہا۔

والف، نشہ کے عالم میں گاڑی چلا رہا تھا۔ (بے) لندن کے نواحی علاقے کے ایک آراء وہ کان میں چند ہفتوں سے قیام پذیر تھا۔ برطانوی انٹیلیجنس کے مطابق وہ ان ایام میں سوویت یونین کے لیے جاسوسی کرتا رہا۔ برطانوی حکومت اس کی سرگرمیوں سے باخبر تھی، چنانچہ اس کی روک تھام کے لیے برطانیہ میں مقیم ۵۵ روسی سفارتی افسروں میں سے ۱۰۵ سفارتی افسروں کو فوری طور پر برطانیہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔

اس واقعہ سے روس اور برطانیہ دونوں گہروں میں ایک نہنگانہ رابطہ کھڑا ہوا۔ برطانیہ نے اس سے قبل اتنا بڑا قدم کبھی نہیں اٹھایا تھا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بڑے دوستانہ ہیں۔

پچھلے چند سالوں سے روس نے مغرب پر پ

برطانیہ اور امریکہ سے تجارتی اور سیاسی تعلقات کے پھانے دوستی کی خوب چمکیں بڑھاتی ہیں، پھر اچانک اتنا بڑا واقعہ کیسے رونما ہو گیا کہ برطانوی سیکرٹری خارجہ ڈگلس ہیوم سوویت یونین کا دورہ منسوخ کرنے پر مجبور ہو گئے کسی ملک سے ۱۰۵ سفارتی نمائندوں کا اخراج کوئی ایسا معمولی واقعہ بھی نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے سوویت گیمزٹ پارٹی کے لیڈر ڈیو سیکرٹری (ایل) برزنیف یوگوسلاویہ تین روزہ دورہ کر کے جب ماسکو پہنچے تو ان کو دو ایئر پورٹ پر پندرہ ارکان پر مشتمل پولسٹ یو روکی جنگل ٹینک طلب کر لی یہ ایک اعلیٰ سطح کی کانفرنس تھی جس میں برطانیہ کے اس اقدام کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس کی وجہ سے تجارتی ذریعہ مینسٹرانڈ گائی کے اعزاز میں دیے گئے سرکاری ڈنر میں ۲۴ گھنٹے کی تاخیر ہو گئی۔

ادھر مین مین میں برطانوی سیکرٹری خارجہ مرائیس ڈگلس ہیوم نے روسی وزیر خارجہ اندرے گریکو سے ۹۰ منٹ تک باہمی دلچسپی کے اور پر بات چیت کی گفتگو کے دوران مرائیس ہیوم نے کہا ”مجھے بھی کچھ کر سکتے تھے۔ اس طرح دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور خیر سگالی کی راہ میں آنے والی رکاوٹ دور کر دی گئی“

کہا جاتا ہے کہ گریکو نے مسئلہ کو جواب دیا تعلقات بہتر نہ کرنے کا کیا خوب طریقہ نکالا گیا۔ گریکو نے کہا ”ماسکو اس جبری اخراج پر اپنا

روس میں ظاہر کرے گا۔

دفتر خارجہ کے ایک افسر نے جواب دیا ”برطانیہ میں اب بھی روس کے ۵۴۵ سفارتی افسر موجود ہیں برطانیہ کی جانب سے یہ ایک کھلی ہوئی دھمکی تھی روس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ خاموشی یا پھر ماسکو میں مقیم برطانوی سفارتی نمائندوں کے خلاف جہاں کارروائی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ اور امریکہ نے اس خطرہ کی کھیل کی ٹینک میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اس سلسلے میں سی آئی اے کا ذکر بار بار آچکا ہے۔ اس بدنام امریکی ادارہ کے بے شمار ایجنٹ غیر ملکی سفارتی نمائندوں کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں برطانیہ میں مقیم روسی سفارتی افسروں پر لگے گئے جاسوسی کے الزام میں کہاں کہاں سے لے لے لے لے اس کے بارے میں کوئی بات پورے رٹوں سے نہیں کہی جاسکتی سلیتہ ایک وقت ۱۰۵ روسی سفارتی نمائندوں کے اخراج کے پس پشت سیاسی عوامل فیذا کا فرما ہیں۔ کچھ ممبرین کا یہ خیال ہے کہ روسی سپریم سیکریٹری کی راہ پر چل نکلنے کے بعد سامراجی ملکوں سے اسولی اور نظریاتی میدان میں کھلی کود کودا تھ کرنے کی بجائے دی تھکنڈ سے استعمال کرنا ہے جو عام طور پر سامراج اور سامراج دوزخ ملک استعمال کرتے ہیں۔

ان دونوں امریکہ اور روس دونوں نسلانی جاسوسی کی ٹینک میں حیرت انگیز تجربے کر رہے ہیں دونوں کا

کے جی بی کے کارکن عام طور پر بے حد ہنوب، اور
 بچے بڑے ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ بیکہ ت
 کٹی غیر مکی زبانوں پر ماہر نہ عبور رکھتے ہیں گفتگو کے
 دوران شائستگی اور صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہیں،
 سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برطانیہ پیسے طغیان ملک
 میں روسی جاسوس کسی چیز کی تلاش میں تھے۔ انہیں
 اگر کسی چیز کا تماشق تو وہ یقیناً امریکہ ہی میں
 مل سکتی تھی پھر جلد وہ برطانیہ میں کیا کرتے پھر رہے
 تھے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے برطانوی دفتر
 خارجہ نے ایک اعلیٰ فرسے کہا۔ انہیں معلوم ہے کہ تھے



لنگے میں سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر

۱۔ امریکہ کے درمیان گھر سے ملازم ہیں۔ برطانیہ واحد ملک ہے جہاں امریکہ کی جسمی معلومات سے آگاہ ہے۔
 ۲۔ برطانیہ نے اوہائیو میں پلازمہ لگا باک اس کی بخوبی سے جرحیفہ دستاویزات پر آگاہ کئے گئے ہیں۔ ان میں جہ برطانیہ میں رازنگ سسٹم اور خود کسے میزائل کے اڈے کے بارے میں خفیہ کاغذات شامل ہیں جسے امریکہ نے تعمیر کیا تھا۔
 ۳۔ اوہائیو میں کی گرفتاری کے ایک مہینہ بعد کہ اس کی شخصیت پر راز کا پردہ پڑا۔ ڈی ایچ ایس نے ۳۱ اگست کو لین کی گرفتاری اور ضمانت پر ڈائی کی ایک دس سو فی خیر شائع کی۔ دو گھنٹوں کے بعد میان عدالت کے مقررہ وقت پر پہنچنے میں ناکام رہا۔ دفتر خارجہ نے اس خبر کی تصدیق کر دی کہ اس کا تعلق روسی سفارت خانہ سے ہے۔ ابتدا میں اس خبر کو جان بوجھ کر خفیہ رکھا گیا۔ بعد میں اس کی غربت بشیر کی گئی کہ اس رات قہر سے سب آٹھ اٹھایا جائے۔
 ۴۔ اوہائیو شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی اور ایک سات سالہ لڑکا اسکو میں ہے۔ برطانیہ اخبارات اس کے متعلق عجیب و غریب خبریں نقل کر رہے ہیں۔ اوہائیو اور ایک روسی قانون دانینا تیار کیا کہ ایک ماہ سے لندن کے ریسیور لائون اور دائرے کیوں ہیں دیکھے جارہے۔
 ۵۔ اس کے متعلق یہ بھی اگشت کیا گیا کہ وہ کسے جی بی این کی بیٹی ہے۔
 ۶۔ برطانوی سپیکر ٹری خارجہ ڈگلس ہوس نے ۳۔

دسمبر اور اس کے بعد ۱۴ اگست کو روسی وزیر خارجہ
گورمیکو کو مراسلہ بھیجا تھا، جس میں اس بات پر
مسخت تشویش ظاہر کی گئی تھی کہ لندن میں سودنی
جاسوسوں کی سرگرمیاں بڑھ گئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ
ان دولتمداروں کو کوئی جواب موصول نہیں ہوا
برطانیہ نے یہ بھی الزام لگایا کہ سودیت یونین
فرسٹ سیکرٹری کی مشیت سے کہ جی بی کے
ایک ایجنٹ کو لندن بھیج رہا تھا جسے تین سال قبل
برطانیہ سے جاسوسی کے الزام میں نکال دیا
گیا تھا۔ روسی سفارتی نمائندوں کو برطانیہ
نے اس کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کانفرنس ہوئی
تھی جس میں وزیر داخلہ ڈیوڈ ہاؤس ہاؤس
وزیر دفتار، ڈیکٹرٹن اور سیکرٹری داخلہ
ریگنلڈ ہاؤلڈنگ شریک ہوئے تھے۔

برطانیہ کے اس اقدام پر کچھ لوگوں نے رائے دیتے ہوئے کہا کہ "بوڑھا اور کمزور پیشابھی دھاڑنے کی قوت رکھتا ہے۔"

فرماندار برصغیر برطانیہ کے اس اقدام کو
ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے ہیں، ان
کا خیال ہے، ٹھوری حکومت اپنی گرفت ہموں ساکھ
کو سنبھال لینے کے لئے روس جیسے بڑے ملک کے
خلاف انتہائی گھٹیا حربے استعمال کر رہی ہے، ٹھوری
حکومت بریٹن سیکورٹی کانفرنس کو تار پھٹ کر نا
چاہتی ہے۔“

اندھ اکاندھی کے اعزاز میں 'یا گیا' عشاءِ تہ ۲۲ گھنٹے لیٹ ہو گیا

برطانوی حکومت اپنے آپ کو حقِ برائے ثابت کرنے کے لئے ایسی چوٹی کا زور لگا دی ہے۔ برطانوی اخبارات روسی فائدوں کو جاکر اس ثابت کرنے کے لئے گھنٹیا بھانڈے استعمال کر رہے ہیں۔ انہیں مشربی لاپرواہ اندازِ ثابت جکوں کا ریتا کہا جا رہا ہے۔ یہ ساری ہم محض اس لئے جاری کیے کہ برطانیہ سے ایک وقت ۱۵ لاکھ مندری فائدوں کے اخراج کو جائز اور صحیح اقدام ثابت کیا جاسکے۔

دوسری طرف ماسکو نے پہلے مرحلہ میں اپنا رد عمل ظاہر کر دیا ہے۔ امریکی اخبار پراودا نے بوطانہ پر لازم لگایا ہے کہ بوطانوی انشٹی جنس، بوطانوی تاجروں، مباحثوں طلباء اور سائنس دانوں

کوسکون میں پہنچ کر ان سے جاسوسی کا کام لیتی ہے ۱۹۴۳ء میں
برطانوی جاسوس کم ٹیلی پکڑا گیا تھا جس نے ایسے ۲۰ سفادق
نائدعوں کے نام تجاے تھے جو سوویت یونین اور مشرق وسطیٰ
میں جاسوسی کا کام کر رہے تھے۔

کے جی۔ بی۔ کا ہیڈ کوارٹر ماسکو کے وسط میں نزدنگی
اسٹواریس واقع ہے۔ اس کے ایک کنارے کناؤں کی ایک بہت
بڑی دکان ہے اس جگہ ایسی کوئی علامت یا نشان نہیں ہے۔
میں سے معلوم ہو سکتا ہے یہ سوویت میکٹ پولیس کا دفتر ہے
اس کے سامنے سوویت میکٹ پولیس فیکس ایسی رزنگی کا
ایک بہت بڑا مجسمہ نصب ہے اس حکم کے سربراہ کا نام پوری

اگرچہ پوچھا، ان کی عمر ۵۵ سال کی ہے پوری اندر ہے پو ۱۹۵۶ء میں ہسٹری کے سیرجی رہ چکے ہیں اس حکم کے جوٹ کے باسے بلر کے کوکم نہیں دی آئی اسے امریکہ کا ایک تہائی طاقتور ادارہ ہے، اس کے انفراسٹرکچر لا محدود ہیں، صرف واشنگٹن میں اس ادارہ میں پندرہ ہزار افراد کام کرتے ہیں، باہر کے ملکوں میں

روسی عباسوس
بے حد اسرار
اور خوشبومی
معطر رہتے ہیں

اسوائے کے یجنٹوں کی تعداد کا پتہ لگانا مشکل ہے کیونکہ یہاں بھی امریکی سفارت خانے کام کر رہے ہیں وہاں کئی ایسے ایجنٹ سفارتی نمائندوں کی حیثیت سے موجود ہیں۔

کئی ایسے اور کے جی بی کے ایجنٹ اپنے اپنے ملکوں کے لئے جاسوسی کام انجام دیتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے ایسے

”افتح“ اور آپ کی رائے

”الفتح“ آپ کا، پنا پرچہ ہے اور ہم آپ کی رائے کو دقیق تر سمجھتے ہیں۔ اس پرچے کی افادیت میں ہم امدادی اصول ذکر کر سکتے ہیں اگر آپ متذہر دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے سر پر جو کوششیں کرتے ہیں اس کے متعلق آپ کی رائے بھی جان لیں۔ ہمارے ہاں جو شخص مسئلے شروع ہیں اس کے بارے میں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں جاری رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے اور اگر جاری رکھا جائے تو ان میں کس قسم کے اختلاف کی ضرورت ہے۔ آپ کو کتنا سلسلہ سب سے زیادہ پسند ہے ؟ آپ مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں اپنی رائے الگ کسی پرچے پر لکھ کر بھجوا دیں۔

- ۱۔ علامہ فرید الدین گیلانی
- ۲۔ پردہ چاک
- ۳۔ ضیاء سرحدی کی یادداشتیں
- ۴۔ ۲۲ حسنہ ندان
- ۵۔ ستر آواز آہی ہے
- ۶۔ سروایہ دار معارف کے کا د سر ارج
- ۷۔ ہنرہ سے چانگام
- ۸۔ روز نامہ غالب سے روز نامہ حرکت تک



کے جی بی کے چیف اندروپو

میں خفیہ اور قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں، دونوں اداروں کے حصے میں کامیابیاں اور ناکامیاں آتی ہیں، اسی آئی اے کے ایجنٹ دوسری فوجی طاقت، اور جوہری ہتھیاروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، اسی آئی اے اور جی بی بی سی کی عدم مماثلت ہے۔ تو واضح تضاد بھی موجود ہے اسی آئی اے کے ایجنٹ، پس منظر اور ترقی یافتہ ملکوں کو لاپرواہی کی گرفت میں رکھنے کے لئے خطرناک اور مذموم ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، ترقی پسند ملکوں کی حکومتوں کا ہتھکنڈہ الٹ کر جو بیخود افراد کو برسرِ اقتدار لاتے ہیں، عوامی ابھار کو کپالنے کے لئے رجعت پسندوں کا سہمہ اور دلروپی جیتے ہیں اور وہ خود ان کے ساتھ مل کر عوام دوست رہنماؤں اور ترقی پسندوں کو اغوا اور قتل کرنے میں براہِ راست حصہ لیتے ہیں، اس کے برعکس جی بی بی سی ایجنٹ ایسے کام میں ابھڑے نہیں لگتے ان امریکنز کی کام سامراجی ملکوں کی فوجی ترقی کی رفتار اور جوہری ہتھیاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے اور کسی آئی اے ایجنٹوں کے منصوبے کو ناکام بنانا ہے۔

۱۹۶۷ء میں کسی بی کے تین ایجنٹوں نے نیٹو کے خفیہ ڈیسے زیل سے ایک میزائل غائب کر کے ماسکو پہنچا دیا تھا۔ لوگوں کو اس بات پر مشکل سے ایجنٹ آئے گا مگر یہ ایک حقیقت ہے برطانوی مبصر نے کا خیال ہے کہ روس اور امریکی سیاسی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ چند سالوں سے یہ دونوں بڑے ملک ایک دوسرے سے بہت قریب آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس بات کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جی نے بی اور سی آئی اے کے درمیان بھی رابطہ قائم کر دیا جائے اور کسی تیسرے ملک کے خلاف جس سے روس اور ریچہ دولوں مخالف ہیں ملک کو کارنامہ شروع کر دیں۔

انڈیا گاندھی کے اعزاز میں 'یا گیا عشا تہ ۲۴ گھنٹے لیٹ ہو گیا



کے جی بی کے چیف انڈر پول

میں خفیہ اور قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں، دونوں اداروں کے حصے میں کامیابیاں اور ناکامیاں آتی ہیں۔ سی آئی اے کے ایجنٹ روس کی فوجی طاقت، اور جوہری ہتھیاروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، سی آئی اے اور کے جی بی میں کسی حد تک مماثلت ہے۔ نو واضح تضاد بھی موجود ہے۔ سی آئی اے کے ایجنٹ، ایس مائڈ اور ترقی یافتہ ملکوں کو ملیر کی گرفت میں رکھنے کے لئے خطرناک بورڈز موم ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، ترقی پسند ملکوں کی حکومتوں کا تختہ الٹنے کو چھوڑ کر برسرِ اقتدار آتے ہیں، بھائی بھاد کو کپلنے کے لئے رجعت پسندوں کا لٹھ اور ڈال دیتے ہیں اور وہ خود ان کے ساتھ مل کر عوام دوست رہنماؤں اور ترقی پسندوں کو اغوا اور قتل کرنے میں براہِ راست حصہ لیتے ہیں۔ اس کے برعکس کے جی بی کے ایجنٹ ایسے کام میں ہاتھ نہیں لگاتے ان کا مرکزی کام سامراجی ملکوں کی فوجی ترقی کی رفتار اور جوہری ہتھیاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے اور سی آئی اے ایجنٹوں کے منصوبے کو ناکام بنانا ہے۔

۱۹۶۷ء میں کے جی بی کے تین ایجنٹوں نے بنگلہ کے خفیہ اڈے زیل ایک میزائل غائب کر کے ماسکو پہنچا یا تھا۔ لوگوں کو اس بات پر مشکل سے یقین آئے گا مگر یہ ایک حقیقت ہے برطانوی مہربن کا خیال ہے کہ روس اور امریکی سیاسی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں چند سالوں سے یہ دونوں بڑے ملک ایک دوسرے سے بہت خراب آگئے ہیں۔ چنانچہ اس بات کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ کے جی بی اور سی آئی اے کے درمیان بھی رابطہ قائم کر دیا جائے اور کسی تیسرے ملک کے خلاف جس سے روس اور امریکہ دونوں خائف ہیں مل کر کام کرنا شروع کر دیں۔

انڈیہ پول ہے، ان کی عمر ۵۵ سال کی ہے پوری انڈیہ پول ۱۹۵۶ء میں ہنگری کے سیرکھی رہ چکے ہیں اس حکم کے سبب کے بارے میں کسی کو علم نہیں۔ سی آئی اے امریکہ کا ایک انتہائی طاقتور ادارہ ہے، اس کے اخراجات نامحدود ہیں صرف واشنگٹن میں اس ادارہ میں چند ہزار افراد کام کرتے ہیں، باہر کے ملکوں میں

روسی ماسکوس بے حد اسرار اور غوشو میں مطہر رہتے ہیں

اس ادارے کے ایجنٹوں کی تعداد کا پتہ لگانا مشکل ہے کیونکہ جہاں بھی امریکی سفارت خانے کام کر رہے ہیں وہاں سی آئی اے کے ایجنٹ سفارتی نمائندوں کی حیثیت سے موجود ہیں۔ سی آئی اے اور کے جی بی کے ایجنٹ اپنے اپنے ملکوں کے لئے جاسوسی کام انجام دیتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے بارے

برطانوی حکومت اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ایٹمی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ برطانوی اخبارات روسی فائدوں کو جاسوس ثابت کرنے کے لئے گھنٹیاں ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں انہیں شہرانی لا پرواہ اور ناٹکوں کا رسیا کہا جاتا رہا ہے۔ یہ ساری مہم محض اس لئے جاری ہے کہ برطانیہ سے میک فٹ ۱۰ ایٹمی سفارتی نمائندوں کے اخراج کو جائز اور صحیح اقدام ثابت کیا جاسکے۔

سری طرف ماسکو نے پہلے مرحلہ میں اپنا ردِ عمل ظاہر کر دیا ہے۔ امریکی اخبار پروڈا نے برطانیہ پر الزام لگایا ہے کہ برطانوی انٹیلی جنس، برطانوی تاجروں، سیاحوں، طلباء اور مسافروں کو ماسکو میں پھنچ کر ان سے جاسوسی کام لیتی ہے۔ ۱۹۶۳ء میں برطانوی جاسوس کم پلی پکڑا گیا تھا جس نے ایسے ۲۰ سفارتی نمائندوں کے نام بتائے تھے جو سوویت یونین اور مشرق وسطیٰ میں جاسوسی کام کر رہے تھے۔

کے جی بی کا ہیڈ کوارٹر ماسکو کے وسط میں ندرنگس اسکو میں واقع ہے اس کے ایک کنارے کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان ہے اس جگہ ایسی کوئی علامت یا نشان نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ سوویت سیکورٹ پولیس کا دفتر ہے اس کے سامنے سوویت سیکورٹ پولیس فیکس ایڈزنگس کا ایک بہت بڑا مجسمہ نصب ہے، اس حکم کے سرپرہ کا نام پوری

”افتح“ اور آپ کی رائے

”افتح“ آپ کا پتہ پرچہ ہے اور ہم آپ کی رائے کو قیغ کر سکتے ہیں۔ اس پرچے کی افادیت میں ہم ادب بھی اضافہ کر سکتے ہیں اگر آپ منورہ دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے سر پر جو کوششیں کرتے ہیں اس کے متعلق آپ کی رائے بھی جان لیں۔ ہمارے ہاں جو شخص سب سے شروع میں اس کے بارے میں ہم جانتا چاہتے ہیں کہ انہیں جاری رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے اور اگر جاری رکھا جائے تو ان میں کس قسم کے اختلاف کی ضرورت ہے۔ آپ کو کونسا سلسلہ سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں اپنی رائے الگ کسی پرچہ پر لکھ کر بھجوا دیں۔

- ۱۔ ظاہری تیریں اندرونی کہانیاں
- ۲۔ سستو آواز آرہی ہے
- ۳۔ پردہ چاک
- ۴۔ سرمایہ دار معاشرے کا دوسرا رخ
- ۵۔ ضیاء سرحدی کی یادداشتیں
- ۶۔ ہنزہ سے چانگام
- ۷۔ روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک



ٹیلی ویژن کی ایک شخصیت سے ملنے کے بعد 'افغ' دوسری شخصیت سے ملانے کا وعدہ کچھ تاخیر کے بعد پورا کر رہا ہے۔ ہمارے راز داران ان شخصیتوں کے متعلق مزید کچھ جاننے کے لئے ٹیلی ویژن کے طلسم کدہ میں گھوم رہے تھے۔ اور وہ اس بھرپور فارم میں خوشخبری کے بعد جو موتی نکال لائے ہیں وہ 'افغ' کے صفحات پر قارئین کے لئے بکھیرے جا رہے ہیں۔ بتائیے! کیا یہ سلسلہ راز داران

ٹی۔ وی میں جانے والی شریف لڑکیو!

ٹیلی ویژن کے راجہ اندر سے ہوشیار

دور ہرایا جاتا ہے۔ وہ بوڑھے میسر کی طرح یاد رکھان میں کھنکھرائی محضوں آگریزی مسکراہٹ سے دائیں بائیں کاٹھکا اٹھا کر اس کی داد دیتے ہیں اگر ٹیلی ویژن سیشن کو راجہ اندر کا اکھاڑا کہا جائے تو راجہ اندر کا تاج ہمارے مشترک فیئر پروگرام میں بھجور جناب زان علی خان صاحب کے سر پر رکھا جائے اور یہ نہ تو کھلتی ہوئی رنگت دیکھنے میں اپنی عمر سے کم از کم دس سال چھوٹے تلبیں اور سر کے بال موجود ہیں جن کے عین مطابق بقول شخصے دل کے اعمق اس خد سے ملے کہ اگر دور کسی جہاڑی پر دوپٹ یا ساڑھی ڈال دی جائے تو اپنی کار سے ٹانگوں سے آس پاس کی زمین پر چل چلا دیں۔ ان کی بارہ سالہ پر سکون شادی شہزادگی اور ایک ہونہار کچھ

بند کروں کے اندر جو ڈرامے کیسے جاتے ہیں ان کے گواہ بے چارے وہ چپرائی ہیں جن کی فیرت پر دو وقت کی روٹی کی مہر لگ جاتی ہے ان دروازوں کو کھولنے اور بند کرنے میں بچانے کتنی بار ان کی طرح پکلی باقی ہے بچانے کتنی بار انہیں خود اپنی نظروں میں ذیل ہونا پڑتا ہے۔ یہ سارا کھیل جبریل میسر کی نظروں کے سامنے بھی

ٹپٹے دھسے کے (GLAMOUR) گھیرے لٹا کر شریف زادیوں راتوں رات شہرت حاصل کرنے یا سب شہر کی تلاش میں اس کے دروازوں پر دستک دیتی ہیں دروازے ایک شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ فوراً کھل جاتے ہیں چند دن تک ایک ہی صورت ہر جگہ نظر آتی ہے اور پھر ہی دسکائے ڈرنے نئی میر دین یہ روز کا معمول ہے۔



ٹیلی ویژن کی نوکری پارٹ ٹائم کام ہے

ابھی ابھی ان کا اس شوق کی غفلت ہو رہی ہے۔ میری مراد فلم سٹار ریشیاں اداکار کے صاحب نام سے ہے۔ حال ہی میں ریشیاں نے اخبار میں ایک بیان دیا ہے شاید آپ کی نظر سے بھی گذر رہا ہو، اس میں انہوں نے ٹیلی ویژن کی دو لازم خواہشیں کے نام لے کر ان علی خان صاحب کو اجازت دی ہے کہ وہ جس سے بھی چاہے شادی رچائیں۔

شریف المصطفیٰ ریشیاں نے تو صرف دو ہی نام لکھ دیے ہیں ادنیٰ جی جے شاہد کمانیاں اپنی روح کے زخموں میں چھپا لی ہیں۔ آخر کون تھیں تو ایک مثنوی خاتون۔ خاتون اول کا دور تو اب تلخ پیا ختم ہو چکا ہے وہ ٹی وی سٹیشن کی راہنماؤں میں اکثر اپنے سینے بوسے پہرے پر دینر میک اپ کی تھیں سبائے منتظر رہتی ہیں۔ لیکن ان کا یہ انتظار تو اب ابدی ہو گیا ہے، خاتون نبرہ جتنے کے چھ دن تو ڈیوٹی پر ہوتی ہیں اور ساتواں بیٹنی پیر کا دن زمان صاحب کے ساتھ گزارتی ہیں مٹی۔ وی کے دونوں ملازم پیر کے دن مختلف ہوٹلوں اور پارکوں کی زینت بنتے ہیں جہاں بہت ساری عورتیں اور بچے ان کو پہچانتے ہیں ان کے عشق کی داد دیتے ہیں ان پر سہرا مٹھتے حرکات کا کوئی قانون بھی لاگو نہیں ہوتا۔

ٹیلی ویژن کے شروع ایام میں زمان صاحب کو ایک ڈھنگ کا آدمی مل گیا تھا۔ یہ شخص ملی دنیا کی ایک بدنام ترین شخصیت ہے۔ اس کی ساری عمر مفت شراب پینے کے چکر میں گزری ہے۔ اس شخص کی تعلیمی حیثیت بالکل صفر ہے لیکن جناب اہم اظہر

بقیہ: ایرانی عوام کیا چاہتے ہیں؟

لڑائی کی اطلاع دی تھی۔ جس کے پیش نظر ایران میں ڈھائی ہزار سالہ جڑیں شہادتِ بہشت کے موقع پر سخت حفاظتی اقدامات کئے گئے ہیں۔ اخباری اطلاع کے مطابق ملے مسلح پہلے کا پٹر شہر میں پرگشت کر رہے ہیں۔ تاکہ منتر قلع خطرے کا مقابلہ کیا جاسکے۔ یہ تمام واقعات اس بات کا اظہار ہیں کہ ایرانی عوام مغربی ممالک اور ایرانی گشتہ سربراہ داروں کے خلاف ہیں۔

اور زمان صاحب نے اسے سکرپٹ پڑھنے اور ٹیلی کا کے قابل سکرپٹ چننے پر رکھا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ ان کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا کہ ایک دن انہوں نے عین زمان صاحب کی موجودگی میں ایک مقامی روزنامے کے نمائندے کو بیٹھٹا لالا اخباروں میں شہر بچا لیکن جوٹی وی کے سربراہ اور نائب سربراہ کا پروردہ محوس پراہنزام کیسا؟

ان صاحب کو ایک اور ڈیوٹی تفویض کی گئی۔ اور وہ ڈیوٹی پر تھے کہ وہ ہر آڈیشن کے لئے آئے دلی لڑکی کا نام اور تپتہ نوٹ کر لیں۔

پہرے کی تائیکو میں ولایتی شراب سے

پروگرام میگزین

پروگرام بنانے کے

علاوہ سب کچھ

کرتے ہیں

سیر ہو کر زمان صاحب اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان مقامات کی تلاش کرتے ہیں جہاں ایک دن ناظم آباد میں کسی ایسی ہی خاتون کے غیرت مند باپ نے لپیٹول تان لیا تو زمان صاحب معمران حضرت کے لیے بھاگے کہ ناظم آباد کی دوسری چورنگی پر ایکسپڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ ایک اور واقعہ سنئے۔

ملک کے ایک ممتاز اور قابل احترام موسیقار کی صاحبزادی جو کئی فلموں میں کام کر چکی ہیں حالات اور وقت کی چکی میں پس رہی تھیں، ان کی بوڑھی والدہ جینے ہیں ایک بار ریڈیو سے گفتگو میں اور جو بیٹے تھے، ان سے زندگی کی گاڑی الٹی مہر کی گھسیٹ رہی تھیں۔

ان کی بد قسمتی انہیں ٹیلی ویژن لے گئی۔ زمان صاحب اور ان کے پروردہ نے خوب آؤ بھگت کی۔ آڈیشن لیا گیا اور انہیں وہیں فٹ قرار دے دیا گیا۔ اوریہ بھی وعدہ

کیا گیا کہ مقررہ کوئی دن جو آپ کے شایان شان ہو پیش کیا جائے گا۔

کچھ عرصہ بعد ان خاتون سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ٹی وی کے متعلق دریافت کیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ وہ بالکل خاموش رہیں۔ ان کی والدہ تلخی سے بولیں۔

”کسی کو کیا دوش دوں۔ اپنی مرضی سے ہی ممبر ہوا اب ٹھیک ڈھائی سال بعد وہ ذات کی آنکھوں میں سے جھانک رہی ہیں اشد اداکار کے انہوں نے سمجھ لیا سے کام لیا ہو۔

بقول ریشیاں زمان صاحب خود بڑے آدمی نہیں ہیں ان کے ادب و باش دوست لے ڈوبے ہیں اور اس کا ثبوت دینے کے لئے ایک بار غصے میں انہوں نے زمان صاحب کے ایک یادگار کے سر پر شراب کی بوتل دے ماری تھی۔ ناظرین کرام!

اب اندازہ لگائیے کہ آپ کو ٹیلی ویژن پر جو کچھ دیکھنے کو ملتا ہے وہ اتنا گھٹیا اور غیر معیاری کیوں ہوتا ہے۔ ٹیلی ویژن کی نوکری تو پارٹ ٹائم کام ہے نہ تمام روز تو دوسری بے شمار معجزات ہیں جن سے ٹیلی ویژن کے ارکان کو بہت کم فرصت ملتی ہے اپنے بیکار وجود کو ثابت کرنے کے لئے بعض اوقات کسی مٹھا خیز حرکات سرزد ہوتی ہیں، اس بات کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعے سے لگائیے۔

زمان صاحب نے غصے میں آکر حکم دیا کہ فلاں پروگرام میں پروڈیوس کر رہا ہوں۔

جو خبر پروڈیوسر کی حیثیت ہی کیا۔ خاموشی اختیار کی زمان صاحب نے پروگرام پروڈیوسر کیلئے لیکن وہ اپنی مندرجہ بالا معروضات کی بنا پر پروگرام پر پورا وقت اور مناسب توجہ نہ دے سکے۔ ریکارڈنگ پر دیکھا کہ پروگرام

حسب معمول معیاری نہیں ہے تو قرانی کے بکرے کی تلاش ہوئی۔ ایک بہت ہی معصوم اور نیک سیرت پروڈیوسر صاحب پر ظلم ڈھایا گیا، اور پروگرام پیمان کے نام کی تختی چپاں کر کے زینتِ سکرین بنادیا گیا۔ اور آپ نے یقیناً اس پروگرام کو دیکھ کر اس بے گناہ پروڈیوسر کو گالیاں دی ہوں گی، زمان صاحب اسی وقت کسی پارک یا ہوٹل میں بیٹھے اپنی خاتون و دم کو یہ واقعے سے ناگرم رہے ہوں گے اور مقصود رنگا پیچ میں لپھے دار چٹائی گالیاں دے کر اسے غفلت کر رہے ہوں گے۔



غیر بلوچی کا اپنی زمینوں اور پہاڑوں سے اب بھی وہی رشتہ ہے



واہیاں منور کہا جاسکتا ہے مگر یہ پرتوں کی شہزادیاں نہیں ہیں اور یہ کسی علم کی بیڑیوں سے نہیں پوچھتی ہیں کہ وہ کب دہن بنے گی۔ ان واہیوں سے دو شہزادیاں نہیں گزرتیں، محنت کھن اور بہادر بلوچی۔ اپنے اونٹوں کی نیکل قتلے گزرتے ہیں، انہیں رزق کی تلاش ہوتی ہے۔ ان کے اونٹوں پر خشک جھاڑیاں ہوتی ہیں، اونٹوں پر غافلان سوار ہوتا ہے۔ ساتھ ایک گنا چلتا ہے، جو ان کا محافظ کہلاتا ہے یہ قافلہ ہی ان بلوچیوں کی کل کائنات ہے۔ ان کا کوئی گھر نہیں ہے، شہر میں جا کر ان جھاڑیوں کو فروخت کر دیں گے، اور اس کے بدلے کھدو نوں کا راشن لے کر کسی اور جگہ رزق ڈھونڈنے چلے جاتے گے۔ ان واہیوں سے یہ قافلے گزرتے ہیں یا ان واہیوں نے ان دنیا پوش مزدوروں کو دیکھا ہے جو کدلی لے کر ان محلوں میں سے بن کھاتی ٹرک تیار کرتے ہیں یہ واہیاں بلوچیوں کو گھوڑوں پر چلتے دیکھتی تھیں، اور کبھی اونٹوں پر۔ اب یہ واہیاں سرداروں کو، جاگیرداروں کی کاروں میں گزرتے دیکھتی ہیں۔ پہلے ان واہیوں سے ان لوگوں کا قریبی رشتہ ہوتا تھا اب تو وہ نظر ڈالے بغیر ہی ان سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن غریب بلوچی کا اب بھی ان واہیوں اور اپنی زمینوں سے وہی رشتہ ہے، وہ اب بھی اونٹ پر گزرتا ہے تو ان واہیوں کو اپنی آنکھوں میں آنکھڑا جاتا ہے۔ اس کا رشتہ نہیں ٹوٹا، ان واہیوں نے

ہجر پہاڑ اپنی ویرانیوں میں کھوجانے کی دعوت دیتے ہیں

محمد شام

ٹی بس آہستہ آہستہ تکمیل کی راہیں طے کر رہی ہے۔ یونیورسٹی کی مختلف تعبیرات بالکل ایسے بنتی ہیں، جیسے محرابیں جیسے تھے، بڑے بے نہ روتی ہے۔ نہ دوسری یونیورسٹیوں کی طرح انجیلوں کی بہار کبھی بہار محراب تھا آج یہاں علم کے سرچشمے ہیں، کل یہاں رونقیں ہوں گی، یونیورسٹی سے معاً آگے چیک پوسٹ ہے۔ یہ ٹرک کراچی تک جا رہی ہے۔ قلات تقریباً نوے میل دور ہے کراچی تقریباً چھ سو میل۔ یہ ٹرک ابھی ساری کی ساری سچی نہیں بن سکی، لیکن قلات تک بڑی اچھی ہے، کار فرٹے بھرتی چلتی ہے۔ وہ لوں طرف دور دور تک بڑے گاؤں کی نشان دہی، البتہ سوکھے، ہجر اور گونگے پہاڑ کھڑے ہیں کسی صاحب نے تجا یا یہ کہ سردار کا سلسلہ کہلاتے ہیں یہ کسی مردہ تہذیب کا ملبہ معلوم ہوتے ہیں، گنڈر خرابے۔ جہاں سے کسی احمد خان کو قلات کے موٹی لے کر امیر ہو سکتی ہے۔ ان پہاڑوں سے کچھ نہیں آگتا۔ نہ ان پہاڑوں کے دامن میں کچھ ہے ان محلوں کو پہاڑوں کی

کوئٹہ کی صبح بہت خشک ہوتی ہے اور ٹنگ بھی۔ صبح سویرے مجھ کو صاحب کراچی کے لئے روانہ ہو گئے ہم بھی آج کوئٹہ سے باہر نکلے اور بلوچستان دیکھنے کا پروگرام بنایا ہے۔ تھے مرزا احاد علی بیگ، اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر ہمارے ساتھ چلنے کا وعدہ کر رہے تھے۔ صبح وہ اپنی سبز بل میں سمیت بلدیہ ہاؤس آ پہنچے، میں، الطاف زمان اور فادق مین۔ ان کے ساتھ ہو لئے راستے میں بی آئی اسے سے کل کے لئے اپنی سیٹیں بھی کرائے ہم کوئٹہ سے باہر نکلے کوئٹہ کی آبادی ختم ہوتے ہی پھر قلات و قحور اور خشک پہاڑ اپنی ویرانیوں اور تباہیوں میں کھوجانے کی دعوت دیتے تھے۔ ایک انجانا احساس، شاید خدا کا احساس۔ پیدا ہو رہا تھا۔ درمیان میں بلوچستان یونیورسٹی بھی پڑی، بلوچستان کو ۳۴ برس میں پہلی بار یونیورسٹی

ہی تو اس کو جیم دیا اور اس کو پالا۔ وہ اپنی ماں کو کیسے جلا سکتا ہے۔

ہل مین بھاگ رہی تھی، اور اسے میں سخت کشش مڑک کو اور بیٹے کر رہے تھے، کدال کی چوٹ صحران کو مڑک میں تبدیل کر رہی تھی۔ ہمیں پہلے مستونگ جانا تھا۔ قلات ڈوئین کے کشتہ کے ساتھ ہماری چائے تھی۔ مستونگ میں اس علاقے کا ایک جشن بھی ہو رہا تھا۔ آج اس جشن کا آخری دن تھا۔ جشن جشن میں فرق ہوتا ہے۔ جشن شہنشاہیت ایران تو ہمیں قلات سے نواس علاقہ کے غریبوں کا ملکہ تھا۔ جہاں غریبوں نے گیت گائے، اپنی مصنوعات اور کھانے پینے کی چیزیں فروخت کیں، اپنے علاقے کی فلمیں دیکھیں اور بس۔

یہاں سب مکان کچے ہیں، مٹی کے انسان، مٹی کے مکان انسان نظر آجائے تو غنیمت ہے۔ ڈھاکے میں کرغیوں کی گھریاں قرب آتیں تو جو جو برائی چھلنے لگتی تھی، وہی یہاں دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہاں تو ویرانی۔ زندگی کا ایک جزو بن گئی ہے۔ ہم بڑے شہروں کی رونقوں کے عادی، بلوچستان کے لوگ ویرانیوں کے عادی، — وہ ویرانیوں سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔ ہم انہی ویرانوں سے ہوتے مستونگ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مستونگ میں اس وقت قلات کے کشتہ خباب و لشکر صاحب بٹھرے ہوئے ہیں ان کے ساتھ ہمیں چائے پینا ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں کشتہ صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔ سادہ سے لباس میں سادہ سے آدمی۔ ہم ان کے دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ وہ اگرچہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بلوچستان میں بڑے لمبے عرصے سے ہیں اور بلوچستان کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پہلے تو ہم سب کراچی کے بارے میں اس طرح پوچھتے رہے کہ ہم جیسے کسی دوسری دنیا سے آئے ہیں، کہنے لگے کہ ہم نے تو اپنے آپ کو بلوچستان کی خشک زندگی میں سولیا ہے

آپ بڑے شہروں کے لوگ تو جاتے ہمارے علاقے کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ لیکن یہاں سرکاری نوکری کرنا یا یہاں زندگی گزارنا اپنی نوعیت کا واحد تجربہ ہے انہوں نے بتایا کہ بلوچستان کا سب سے بڑا مسئلہ ذرائع مواصلات کا ہے۔ مڑک کی سہولت بہت کم علاقوں میں حاصل ہے۔ زیادہ تر علاقوں میں اونٹ اور اس سے زیادہ علاقوں میں صرف پیدل چلنا۔ ذریعہ سفر بن سکتا ہے۔ وہ بتانے لگے کہ انتخابات کے دنوں میں بعض علاقوں سے نتائج تین روز بعد حاصل کئے جاسکے، ووٹروں کا پولنگ اسٹیشن تک پہنچنا تو بذات خود ایک مسئلہ تھا۔ نتائج کی سبب کہ پولنگ اسٹیشن جہاں ووٹ گنے جاتے



(دائیں سے) مرزا حامد علی بیگ، محمود شام، کشتہ قلات اور فاروق مبین

بڑے شہروں میں رہنے والو!

اپنے ان ہم وطنوں کی زندگی بھی دیکھو

رہتے والے صحافی کسی وقت بیس تیس روز کے لئے آتیں تو آپ کو بلوچستان کی حقیقی زندگی دکھائیں گے یہاں آپ کے ہم وطن کتنی کشتہ زندگی گزارتے ہیں، انہیں کن کن محسوسات کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہوں نے ایک علاقوں کے بارے میں بتایا کہ وہاں کے لوگ اکثر سندھ اور دوسرے علاقوں میں رزق کی تلاش میں چلے جاتے ہیں پینے کا پانی بھی یہاں بہت کم لوگوں کو میسر ہے۔ کنواں کھودنے پر بھی پانی جلد نہیں نکلتا۔ اس لئے روزگار بھی نہیں ہے۔ لوگوں کا اثاثہ صرف بیڑ بکریاں ہیں۔ بیس پچیس روز کے لئے آئے اور اپنے ان

تھے، وہاں ساتھ ہی ایک شخص اونٹ پر تیار بیٹھا تھا۔ نتیجہ تیار ہونے ہی اس کے حوالے کیا گیا۔ اور یہ اونٹ جس فاصلے تک چل سکتا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک اونٹ سوار تیار کھڑا تھا۔ وہ اس اونٹ سوار سے کاغذات وصول کر کے اگلے اونٹ سوار تک پہنچاتا تھا۔ پھر اس کے بعد یہ نتیجہ ایک ایسے موٹر پر پہنچتا تھا۔ جہاں سے جیب میسر تھی اس طرح چارپانچ مراحل طے کر کے نتیجہ ڈوئین کے صدر مقام تک پہنچتا تھا۔ اسی لئے بلوچستان کے نتائج وصول ہونے میں تاخیر ہوتی۔

کشتہ صاحب کہنے لگے کہ آپ بڑے شہروں کے

قلات کا ہوائی اڈہ

جہاں ایوب خان نے

فوجیں اتاری تھیں



خان آت قلات دراپیں سے، فاروق معین، محمود شام اور مرزا حامد مل بیگ

ہم وطنوں کے درمیان زندگی کے کچھ لمحے گزراہے۔ ہم آپ کو خاران کے کسی قافلے کے ساتھ کر دیں گے جو مذاق کی تلاش میں کسی دوسرے علاقے جا رہا ہوگا۔ اس قافلے کے ساتھ دو تین دن سفر کیجئے، آپ کو اندازہ ہوگا زندگی کیا ہے۔ کہیں رستے میں کام مل گیا محنت مزدوری کرنی۔ معاوضہ پالیا۔ پھر آگے چل کر اس سے رشتہ خرید لیا۔ پھر چل پڑے۔ یہاں صرف آج کی روٹی پاس ہوتی پھل کی فکر نہیں ہوتی۔

نئے اپنے فوجی دستوں کے لئے ہوائی اڈے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ انہوں نے قلات پر چڑھائی کی اور قلات آت قلات کو گرفتار کیا تھا۔ اقتدار کی جگہ بھی کیا ہوتی ہے ایوب خان ہیں مگر اب صدر ایوب خان نہیں ہیں خان آت قلات ہیں مگر وہ اب قلات کے مطلق العنان فرمان روا نہیں ہیں۔ وقت وقت کی بات ہے یہ کھنڈر ہیں قلات قلات کے پرانے قلعے کا ہے ابھی محکمہ آثار قديمہ کو زحمت نہیں ملی ہے کہ وہ یہاں کا رخ کرے

اور اس خرابے میں سے دنیا کے موتی ڈھونڈنے قلات کے قریب ہی وہ پرانا شہر بھی ہے جو ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں زمین لبس ہو گیا تھا۔ اب صرف کھنڈر باقی ہیں۔ قلات پر دہر طاری ہے۔ شہر خرابی ہے۔ کچے دیواروں میں گھرے ہوئے مکان کہیں کہیں ڈھول میں پھٹے درخت ہم خان آت قلات کے رسیٹ آؤں میں پہنچ گئے ہیں۔ اس دیران اور وصول میں پٹے شہر میں سیب کے باغ کتنے لکھڑے پھندے ہیں۔ کچے سیب پیچھے آ رہے ہیں، رسیٹ ہاؤس میں کھانے سے نارغ ہو کر ہم نے قزوئی دیر آرام کیا اور پھر خان صاحب کے محل کی طرف چل نکلے۔ زراعت وہاں نہیں رہی، لیکن اعزازات اور گارڈ و فیرو سب کچھ میرے۔ بہت ادنیٰ دیواروں کے اندر ایک دنیا آباد ہے۔ مختلف مشرکوں سے ہوتے ہم خان صاحب کے ڈرائنگ روم کی طرف

جا پہنچے۔ جو منٹل شہنشاہوں کی زبانہ میں دیران خاص کہلاتا تھا، ایک لمبے بعد خاں صلب پہنچ گئے۔ خاصی عمر ہو چکی ہے دوسرے تمام پاکستان کی طرح انہیں بھی موجودہ واقعات پر تشویش تھی وہ ہم سے پوچھنے لگے کہ کیا ہونے والا ہے؟ جو کچھ ہمیں معلوم تھا۔ بتا دیا، پھر ان سے ہم پوچھنے لگے کہ محبت صاحب سے آپ کی کیا بات ہوئی؟ ہم نے خاں صاحب کو محبت صاحب سے بات چیت کے مسئلے میں مطمئن پایا۔ وہ محبت کی قیادت کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے اور کہا کہ میں ان سے مل کر بے حد مطمئن ہوں۔ میں نے ان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بے حد جذباتی ہیں۔ لیکن میں نے ان سے بات چیت کی تو ان کو بے حد مدد پر زور دیا اور دیا تدار پایا وہ باتیں سچی کرتا ہے اگر اسے موقع ملا تو دلشاد صاحب نہایت پیار بھرے لہجے میں یہ باتیں سنا رہے تھے، میں نے وعدہ کر لیا کہ جب بھی آپ بلا میں ہم چلنے کو تیار ہیں۔ وہ تیار رہے تھے کہ بلوچستان کی زمینیں اتنی وسیع ہیں اور بھرپور پانی کی بڑی وقت ہے، اس لئے آبادی کم ہے صنعتوں کا نام و نشان نہیں ہے۔ اب ادھر گواد کے قریب ہی گپیری کی صنعت قائم کی جا رہی ہے۔ آئندہ بلوچستان کے بہت سے لوگوں کے لئے روزگار فراہم ہو جائے گا۔

میں نے کہا کہ ایک سیاست دان نے کہا ہے کہ گواد کے بارہ ہزار افراد کے لئے بارہ لاکھ روپے خرچ کر کے پانی کا انتظام کیا جا رہا ہے لیکن لاکھوں افراد کے لئے پانی پر ہزاروں روپے بھی خرچ نہیں کئے جا رہے۔



بلوچستان کے بھرپور۔ محنت کشوں کی تڑاشی ہوتی سڑک

خانہ بدوش بلوچی

صرف آج کے رزق

کی فکر کرتا ہے



پیاف کے تلاش

اس پرکشش صاحب کہنے لگے اس علاقے میں پانی نزدیک سے دستیاب ہے، پھر یہاں صنعتی علاقہ بنایا جا رہا ہے یہاں اگر صنعتی ترقی ہوگی تو پورے بلوچستان میں اس کے اثرات پھیلنے کے، دوسرے علاقوں میں بھی آہستہ آہستہ پانی کی فراہمی کے انتظامات کئے جائیں گے فی الحال تو مواصلات کے ذرائع پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے تاکہ بعد میں ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانی ہو۔ اور شینری کی نقل و حرکت بھی آسانی سے ہو سکے۔ اب کراچی سے کوئٹہ کے درمیان سڑک کافی حد تک بہترین حالت میں ہے۔ ابھی کچھ حصہ باقی ہے بلوچستان میں چند ایک قصبے ہیں جہاں ابھی شہری سہولیتیں بھی نہیں ہیں، قلات ڈویژن کے صدر مقام قنڈار میں سینا گھر بھی نہیں ہے۔ یوں لوگوں کو تفریح کا سامان بھی میسر نہیں ہے۔

اتنے میں چائے آگئی، بکسٹ اور بہت کچھ چلنے والی، میں دوپہر کا کھانا قلات میں۔ غاں آت قلات کے ہاں تھا۔ منزل دور تھی۔ ۶۰ میل کے قریب دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ ویرانیاں منہ پھاڑ رہی تھیں، ہم نے کشر صاحب سے اجازت لی اور پھر یک صاحب کی بل میں کراچی قلات روڈ پر ایسی میل کی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگنے لگی۔ پھر وہی ویرانیاں۔ بھر پھاڑ۔ درہ دور وہ کوئٹہ میں اٹھاتے۔ مزدور، اور کہیں کہیں اونٹوں پر سوار قافلے۔ ہم قلات کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اظاف لانا تیار ہے یہی کہ یہ پھوٹا سا میدان جہاں اس وقت خانہ بدوشوں کا قافلہ خیر زن سے اسے الپستان وہ یقیناً اس ملک کو آگے لے جائے گا۔ انہوں نے ٹھیکر صاحب کی اس بات کو بالکل صحیح قرار دیا کہ بلوچستان کا قافلہ بہت مجروح ہو رہا ہے۔ انہوں نے

یقین ظاہر کیا کہ صدر کی کجی منتخب غلامی فائندوں کو اقتدار منتقل کر دیں گے۔ کیونکہ وہ اس سلسلے میں غلصہ ہیں۔ خان صاحب نے کہا کہ ہم بلوچ لوگ کسی کا ساتھ اٹھنا ہی سوچ بھی کر دیتے ہیں اور جب ساتھ دیتے ہیں تو پھر آخری دم تک اور اپنے تمام تر غلوں والا ہر پر رطافت کے ساتھ خان صاحب سے پھر ہم نے قائد اعظم کے بارے میں کچھ پوچھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیا بات ہے اس غم پر رہنا کہ قائد اس ریسٹ ہاؤس میں بٹھ رہے تھے۔ جس میں آپ نے دوپہر کا کھانا کھا یا۔ قائد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے قائد کو بلوچوں کی بہت قدر تھی۔

خان صاحب نے کہا کہ یہ بلوچوں کی بہادری کے سبب ہی تھا کہ ہم نے ایک طرف برصغیر ہند اور دوسری طرف روس جیسی ملکیتوں کے درمیان ۳۰۰ برس تک قلات پر نگرانی کی اور ریاست کی وحدت کو سلامت رکھا۔

آخر میں ہم خان صاحب سے اجازت لے کر اٹھے تو انہوں نے کہا کہ وہ علی گڑھ کے ملک سلامت رہے تو سب کچھ ہے ہم جب قلات سے باہر نکلے تو شام کے ساڑھے پچھل رہے تھے اور دس بارہ میل آگے نکلنے پر اندھیرے نے پورے راستے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جیسے ستم کی طویل رات تھی۔ پاکستان کے غلام کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے پچاس سال ساتھ میل نکلا کر چند مہم روشتیاں دکھائی دیں۔ امید کی کرنیں۔ ایسی روشتیاں دکھائی دتی ہیں۔ ان روشتیوں کے بعد ہم تو اپنی منزل مقصود کو ٹھہر بیٹھے گئے۔ لیکن امید کی روشتیاں جو پاکستان کی تاریخ کے سفر میں دکھائی دے رہی ہیں انہوں نے ہمیں اپنی منزل مقصود پر اب تک نہیں پہنچایا۔ اگلے روز ہم جہاز سے کراچی روانہ ہو گئے۔ یہ سفر نازق معین کے لئے تو نہایت خوشگوار تھا کہ انہیں ایک اچھا ہم سفر مل گیا۔ ہم تو دی محروم ہے۔ ازلی۔ ابدی محروم

پشاور

پاکستان ٹوبیکو کمپنی - اونچی دکان، پھیکا پکوان

ناشنہ الفتح

۱ اکتوبر کے "افتح" میں پاکستان ٹوبیکو

کمپنی اور فیٹ اٹمی کے ملک دشمن خفیہ معاہدے اور پاکستانی معیشت کو نقصان پہنچانے کی سازش کا انکشاف کیا گیا تھا۔ اب اس کمپنی کی مزدور دشمنی کا حال سنئے۔

پاکستان ٹوبیکو کمپنی ملک کا تین سو گریٹ ساز ادارہ ہے۔ ہر سال اپنی مصنوعات کے نرخوں میں لاشعور کر کے مسلسل اپنی دولت کو بڑھا رہی ہے۔ اس سال ایک کروڑ ۵۳ لاکھ روپے کا منافع کمایا۔ انٹرنیشنل کانسٹریکٹس کے بارے میں ادارہ اپنے مزدوروں کو بنیاد پر سہولتیں دینے سے انکاری ہے۔ اپنی دکان پھیکا پکوان کے مصداق اس کے مزدوروں کے حالات کا رنگ کی دوسری ٹوبیکو کمپنیوں سے بھی خراب ہیں۔ حد تو یہ ہے مزدوروں کے لئے پیسے کے پانی کا بھی انتظام نہیں ہے پاکستان ٹوبیکو کمپنی ورکرز یونین میٹ ایریڈا کے مسلسل احتجاج اور شکایات کے بعد لپٹا دریا ٹنگ منیٹا اور گوداموں میں پانی کے لئے شے فراہم کئے گئے صرف اکوڑہ خشک فیکٹری کے دفتر اور مشین روم میں واٹر کو لیں ڈپوزٹس بائیکل سنٹرز اور گوداموں میں کام کرنے والے مزدوروں نے تو واٹر کو لور کی شکل تک نہیں دیکھی حالانکہ ڈھکی اور جنیور کے علاوہ ہر جگہ بھی موجود ہے اس کے برعکس انتظامیہ اور افسر حضرات کو پانی کی جگہ سوئپ اپ اور دیگر مشروبات دیتے جاتے ہیں اور جب یہ اعلیٰ افسر دوسرے پر جاتے ہیں تو اپنے ساتھ مشروبات اور برف موٹروں میں لے جاتے ہیں۔

اس کمپنی نے انتظامیہ کے اراکین کے لئے شاندار بنگلے تعمیر کئے ہیں۔ اور جب کو کمپنی کی جانب سے بنگلہ نہیں ملتا تو انہیں ۸۰۰ روپے ماہوار تک مکان کا

الاؤنس دیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مزدوروں اور نچلے درجہ کے ملازمین کو رہائشی سہولت دی گئی ہے اور نہ ہی کوئی الاؤنس دیا جاتا ہے۔

اس ادارے میں ترقی کا معیار صرف یہ ہے کہ ماتحت ملازم اپنے افسر کے لئے ذاتی طور پر کتنا کارآمد ہے۔ محنت کام سے ملنے لایا زاری سے انتظامیہ کو کوئی واسطہ نہیں، وہ خوشامد کو سب سے زیادہ وقعت دیتی ہے۔

ان حالات کے مد نظر اور مزدوروں کو حقوق دلوانے کے لئے پاکستان ٹوبیکو کمپنی ورکرز یونین لین ایریڈا نے چند مطالبات پیش کئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مطالبات پورا کرنے کے لئے انتظامیہ راضی ہو گئی۔

• تنخواہوں میں چار سو سے آٹھ سو روپے تک کا اضافہ۔

• آمدورفت کے الاؤنس میں چھ سو سے سوڑا لاکھ اضافہ۔
• سائیکل الاؤنس میں دو سو روپے کا اضافہ۔
• اکوڑہ خشک فیکٹری کے مشین روم سپروائزرز کے لئے درمی۔

مندرجہ بالا مطالبات سے قبول کمپنی ایک لاکھ اور ۲۰ ہزار روپے سالانہ کے خرچ کا اضافہ

ڈیسر لائسنس

اس میں ضرر منافقت اور ملک دشمنی کا راز مضمر ہے

رئیس عدیت

آج کل ڈیرہ غازی خان کی سڑکوں پر چلتی والی کاروں کی پشت پر کرکٹ انڈیا کے سیل دکھائی دے رہے ہیں، انہیں دیکھ کر ۱۹۶۵ء کی جنگ یاد آنے

ہوتا تھا۔ اس لئے یہ شرط لگائی گئی کہ کمپنی آئندہ سال سینئر مزدور بھرتی نہیں کرے گی۔ چونکہ مزدورں کو روزگار فراہم کرنا یونین کا اولین فرض ہے اس لئے اس رسوائی پیش کش کو مسترد کر دیا۔ انتظامیہ نے اس ناکامی کا بدلہ یوں لیا کہ تین ہزار مزدوروں کو کرکٹ اور چکر حضرات کو صرف دو ماہ ایک ماہ لازمت رکھنے کے بعد برخواست کر دیا۔ حالانکہ یہی لوگ گذشتہ ۲۲ سال سے متواتر ہریڈن میں جہاں کام کرتے تھے۔ جب تنازعہ بڑھا تو حکومت نے مداخلت کی مگر لاپرواہی کو لیر ڈائریکٹرز نے فریڈن کو بلایا۔ ۸ ستمبر ۱۹۶۵ء کو کمپنی کی جانب سے آکرچی بارنڈالے کے صاحبزادہ اور سلیم اختر نے یونین کے پیش کردہ مطالبات تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن ۱۵ ستمبر کو تینوں حضرات اپنے وعدے سے مکر گئے۔ اور مقبوضہ اخبارات کے ذریعے پروپگنڈہ شروع کر دیا کہ ہم تو مطالبات ٹھننے کو تیار ہیں لیکن مزدور ہی مداخلت لینے کو تیار نہیں ہوتے حال ہی میں انتظامیہ نے ایک پاکیٹ یونین رجسٹر کرائی ہے اور اب اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ پاکٹ یونین سو دس کاری کی ایکٹ بن جائے تاکہ ہتھیکہ سسٹم شروع کیا جاسکے اکوڑہ خشک فیکٹری میں اس کی ابتدا ابھی ہو چکی ہے

لگتی، جب یہ کاروں والے اسی قسم کے سیل لگا کر لاہور سیانکوٹ، قصور اور دوسرے سرحدی شہروں سے جہاں جہاں کر ڈیرہ غازی خان جیسے محفوظ شہر چلے آئے تھے۔ غوام نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اپنے دشمن کا ممبر پور مقابلہ کیا۔ وہ بڑی دیر سے لڑے

لیکن اسے کیا کہیے کہ ان کاروں والوں نے جنگ ختم ہونے کے بعد انڈیا کی جیٹ اس اپنے عوام پر نکالی۔ انہیں غریب پکھا ہر طرح سے مزدوروں اور کسانوں طلباء اور دانشوروں پر حملہ آور ہوئے انہیں جیلوں میں پھونسا۔ نوکر شاہی نے گریبان برسا میں ریزا اردن نے ہشت نگر سچائے۔ کارخانے واردوں نے ٹھوکی اور لاندھی کو مزدوروں خون سے تھلا یا راولپنڈی اور لاہور کی سڑکوں پر طلباء کی لاشیں تڑپیں۔ کیا یہ عوام کو ان کی حب الوطنی کی سزا کے طور پر جھگٹنا پڑا؟

اس کا یہ مقصد نہیں کہ عبارت نے ہمارے جیت سے کام یا نوپاکستانی عوام دشمن کو دندان شکن جواب نہ دیں گے۔ یقیناً وہ ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ لیکن اس جنگ سے قبل اندرونی دشمنوں کا صفایا ہو جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ وہ لوگ

میں جنہوں نے قیام پاکستان کی غفلت کی محض ان کی اور ان کے سامراجی آغاؤں کی انتہائی کوشش رہی ہے کہ پاکستان ختم ہو جائے۔ اس کے لئے انہوں نے مختلف جھنڈے استعمال کئے۔ "سبارت" جو کہ جماعت اسلامی کا ترجمان ہے اور جماعت اسلامی جو کہ قیام پاکستان کی بدترین دشمن ہے، جس نے پاکستان کے قیام کی نہ صرف غفلت کی بلکہ قائد اعظم کی ذات پر ناروا حملے کئے۔ اس نے اعلان کیا ہے کہ کرشن انڈیا کے لیبل انہوں نے لگائے ہیں اس میں ضرور کوئی منافقت اور ملک دشمنی کا راز مفسر ہے۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ پاکستان کے وجود، سالمیت اور استحکام کے لئے کام کرے گی۔ ملک دشمنوں کو نفیوت پہنچانا ہے۔ وہ اس ملک میں لمبی کاروں والوں کی پختہ ہے اس کی چالوں سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے

خضدار بلوچستان کے غریبوں کو ظلم سے نجات دلائی جائے

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن راجی سردار گروہ خضدار کے جلس عام کا ایک اجلاس حبیب اللہ بلوچ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں متدرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں!

• بلوچستان کے غریب کسانوں سے ملوث اور قلات ڈویژن کے غریب کسانوں سے خصوصاً بٹائی کے موقع پر دو دفعہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ ایک ٹیکس حکومت وصول کرتی ہے، دوسرا سردار، ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ قلات ڈویژن کے غریب زمینداروں کو اس دوسرے ٹیکس سے نجات دلائی جائے۔

• ہم گورنر بلوچستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کو میڈیکل کالج کا درجہ دیا جائے۔ انجینئرنگ کالج قائم کیا جائے۔ تربت انٹر کالج کو ڈگری کالج کا درجہ دیا جائے تربت کالج میں اساتذہ کی کمی پوری کی جائے اور فوری طور پر ہوشل تعبیر کیا جائے۔

• پنجگور کے شہر چٹکان کے الیکٹرک سپلائی اسکیم کب سے منظور ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں کبھی وغیرہ بھی پہنچائے گئے ہیں مگر ابھی تک اس اسکیم پر عملدرآمد نہیں ہوا ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسکیم پر جلد از جلد عمل درآمد

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ابری گلگ اور میدی کے پرائمری اسکولز کو مکمل اور مکمل کو بائی اسکولز کا درجہ دیا جائے۔ پنجگور خدا آبادان، مشکے کے گریڈ پرائمری اسکول کو مکمل اور خاران و پنجگور اور چٹکان کے گریڈ مکمل اسکولز کو بائی اسکولز کا درجہ دیا جائے۔

• قلات ڈویژن کی یونین کو سلیز کے سیکرٹریوں کو تقریباً ۲ سال سے تنخواہ نہیں مل رہی ہے۔ اس وجہ سے وہ کافی پریشان ہیں اس لئے ان کی فوری طور پر تنزیلی کی جائے۔

• تحصیل مشکے کی نئی ڈپٹی سرائی کی بلڈنگ کے لئے حکومت نے جو رقم منظور کی تھی، بیٹھکیدار نے نہ صرف پیسوں کو خورد برد کیا اور کام کو بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ نیز ضلع خاران کے موضع میدی، موضع ابری گلگ اور پنجگور کی ڈپٹی سرائیوں میں ڈاکٹر اور ادویات کا بندوبست کیا جائے۔ اور تحصیل مشکے کی نئی ڈپٹی سرائی کی بلڈنگ جلد مکمل کرائی جائے قلات ڈویژن میں ناقص ذرائع آمد رفت کی وجہ سے لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ناقص ذرائع آمد و رفت کو درست کیا جائے نیز مشکے سے چھاؤنیک عوام کی تکالیف کو مد نظر رکھتے ہوئے آمد و رفت کا انتظام کیا جائے اور چھاؤنیک کسی ایک پرائمری اسکول کو مکمل کا درجہ دیا جائے۔

لاشپور

سہنگلوں کے مفادات کے محقق صحافیوں کا گٹھ جوڑ

قبیوم عابد

لائل پور سے اس وقت دس کے قریب روزنامے شائع ہو رہے ہیں، ان میں چار تو قیام پاکستان سے شائع ہو رہے ہیں، دو روزنامے شعلہ اور پیام قائد مرگودہ سے لائل پور میں مہنگل سی آئی اسے کے سربراہ مشر ٹنڈر سبک کی بدولت آتے ہیں، دو روزناموں کو حالی میں ہی ڈیکلریشن جاری ہوا ہے۔ ان میں ایام مولوی غلام رسول جتوئی لائی اور پنجاب نیوز میڈیر پاشا کا ہے۔ یہ دونوں روزنامے لائلپور میں مہنگل سیاست کے ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو شخص مہنگل سیاست کا مخالفت ہوتا ہے، ان دونوں روزناموں میں اس کی پگڑی اچھالی جاتی ہے گویا لائل پور

شروع کیا جائے۔ نیز خاران میں الیکٹرک سپلائی اور وائٹر سپلائی کا ناقص انتظام درست کیا جائے۔

• گذشتہ سال کے سال سوئم اور سال اول کے جن طلباء کے ایک سال کے سالگرہ شپ ۶۵ روپے اور ۵۰ روپے ہوا کر کے حساب سے منظور کئے گئے تھے، لیکن سال سوئم کے طلباء کو کتا بوں کے ۲۰ روپے نہیں ملے اور سال اول کے طلباء کو ۸۰ روپے کی بجائے ۵۰ روپے ماہوار کے حساب سے دیا گیا جبکہ سال سوئم کے باقی طلباء کو کتا بوں کے ۲۰ روپے اور سال اول کے باقی طلباء کو ۵۰ روپے کی بجائے ۸۰ روپے ماہوار کے حساب سے دیا گیا۔ ہم اس قرارداد کے ذریعے گورنر بلوچستان سے مجبور مطالبہ کرتے ہیں کہ گذشتہ سال کے سال سوئم کے طلباء کی کتا بوں کے ۲۰ روپے اور سال اول کے باقی ۸۰ روپے ماہوار کے حساب سے دیئے جائیں نیز سال رواں کے لئے فوری طور پر سالگرہ شپ منظور کئے جائیں تاکہ طلباء ذہنی سکون کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔

• ضلع خاران کی یونین کونسل ابری گلگ میں چھ پرائمری اسکولز میں مگر ایک بھی مکمل اسکول نہیں اور پورے ضلع میں مکمل اسکولوں کی تعداد آٹھ ہے۔ لیکن باقی اسکول صرف ایک ہے جس سے طلباء کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے اس لئے

سہ گلوں نے پریس کلب کا الیکشن جیت لیا

میں ابابم اور پنجاب نیوز جگہ کی اچھا محافت کے علمبردار ہیں، جبکہ شعلہ اور پیام قائد ہیں ان افسران، بلدیہ و شکرٹ کونسل کے خلاف محاذ قائم کیا جاتا ہے جو کہ سہنگوں کے اشاروں پر ناچنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جب یہ اخبارات ایسے حضرات کے خلاف اپنی ہم کا آغاز خوانی نام پر کرتے ہیں تو افسران پریشانی کی حالت میں مارے مارے پھرتے ہوئے آخر تک سہنگوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ تو یہ اخبارات دوسرے روز ہی ان کے خلاف خوانی نام پر چلائی گئی ہم کو بند کر دیتے ہیں، لائل پور کا صرف ایک روز نامہ غریب سہنگ سیاست کے خلاف ہے اور وہ ان کی سیاست کو بے نقاب کرتا رہتا ہے جبکہ اسم کے مقابلہ میں نور روز نامے ہیں، ان روز ناموں میں جو تحریریں شائع ہوتی ہیں۔ وہ ایک ہی ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں لائل پور کے لوگ انہیں پی اے ٹو سہنگ کے نام سے جانتے ہیں یہ صاحب اپنی مخصوص سیاست کی بنا پر ہر محفل میں فوری پہچان لئے جاتے ہیں۔ جس طرح مسٹر الطاف حسین قریشی انسانوں میں بیٹھا ہوا کسی دوسرے کوہ کی خلوق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ صاحب بھی موٹے دایاں کے ہم لہ ہونے کی بنا پر یک بانہ ہیں اور اپنی تحریریں صلاحیت جو کہ صرف تخریب کر سکتی ہے۔ سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر مقامی اخبارات کے ایڈیٹر حضرات کو تحریک دیتے ہیں، بد قسمتی سے کوہ نور ملز کے شعبہ اشتہارات کے انچارج بھی یہی صاحب ہیں، لہذا قومی اخبارات کے نامزدوں کو بھی بڑی آسانی سے اپنے قابو میں کر کے وہی کرتے ہیں جو کہ سہنگ صاحبان چاہتے ہیں اس کے علاوہ بکری بازار میں سہنگوں نے اپنا ایک تنکیہ بھی قائم کر رکھا ہے، اس کے ہیٹ مجاور بھی یہی پی اے صاحب ہیں، اس تنکیہ میں ہر وہ کام ہوتا ہے جس کی انسانیت اجازت نہیں دیتی۔ لیکن سرمایہ دار کو خیر خریدنے کے لئے ہر ذوق کے افراد کو ان کے ذوق کے مطابق سامان فراہم کرنا پڑتا ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ سہنگ سی آئی اے کے سربراہ مسٹر نڈر سک لائل پور کی محافت، سیاست اور ادب پر چمکتے ہوئے ہیں یہ چند سطور اس لئے تحریر کرنی پڑی کہ الفتح کے قارئین لائل پور کی صحافتی زندگی سے قدرے متعارف ہو جائیں۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

گزشتہ ماہ لائل پور میں پریس کلب کے سالانہ انتخابات ہوئے تو عوام دوست صحافیوں نے لائل پور کی محافت کو سہنگوں اور سہنگسٹ صحافیوں سے نجات دلانے کے لئے اپنے امیدواروں کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو تنکیہ سہنگوں کے مجاوروں نے اعلان بغاوت تصور کیا اور اس بغاوت کو کچلنے کے لئے سہنگ سی آئی اے کے سربراہ مسٹر نڈر سک کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل ہوئی اور اس کمیٹی نے طے کیا سہنگسٹ صحافی حضرات میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو کہ اپنے اپنے مفادات کے لئے ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کئے ہوئے ہیں۔ اب جبکہ مساوات کے ریا من رضا اور درویش صحافی اختر سیدی زار لطف نے سیکرٹری شپ اور مصداق کا انتخاب کرانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر یہ لوگ پریس کلب پر قابض ہو گئے تو لائل پور کی صحافت میں سرخ انقلاب آجائے گا۔ جو کہ ہمارے لئے وبال جان ہوگا۔ لہذا اس کمیٹی نے حافظ اکرام اختر نامزدہ مشرق کو سیکرٹری شپ اور سردار محمد اختر کو مصداق کے لئے اپنا امیدوار نامزد کر دیا۔ حافظ اکرام اختر اور پنجاب یونے کے پرویز پاشا کی آپس میں محنت مخالفت تھی۔ ایک مقامی ٹرانسپورٹر سردار محمد سالک کی معرفت مسلح کرادی اور پنجاب نیوز جو کہ قبل ازیں اپنی محفل میں حافظ اکرام اختر کے خلاف محاذ کھولنے کا اعلان کر چکا تھا۔ اس نے دوسرے دن عوام دوست صحافیوں کے خلاف ایک دائری بھی ادا کرنا چور کو نال کو۔ کے مصداق عوام دوست صحافیوں پر الزام عائد کیا کہ یہ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں اور کارکن صحافیوں کے حقوق پر ڈاکہ زنی کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ عوام دوست صحافی انتخابات کو صرف صحافتی حدود میں ہی رکھ کر اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے مفاد پرست حضرات نے اس انتخاب میں یونائیڈڈ تنک کے دانش جبرین حسن امام کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا اور حسن امام نے حافظ اکرام اختر کی کامیابی کی صورت میں مقامی اخبارات کو اشتہارات اور پریس کلب کو دس ہزار روپے کے عطیہ دینے کا فیصلہ کیا، جس پر حافظ اکرام کے ساتھیوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پریس کلب کی جو گرانٹ قومی اخبارات کے چند نامزدوں کے باہر ہونے کی بنا پر بند ہو چکی ہے، میان رفیق سہنگ نے وعدہ کیا ہے کہ

وہ سترہ ہزار روپے پریس کلب کو ادا کریں گے مفاد پرست اور عوام دشمن صحافیوں کے پشت پناہ سرمایہ داروں اور ان کے گمشدوں کی پوکھلا ہٹ سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ پاکستان میں سرمایہ دار زندگی کے کسی شعبہ میں بھی عوام دوست اور حق پرست افراد کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، لائل پور پریس کلب کے انتخاب میں جماعت اسلامی نے بھی اپنا مخصوص کردار ادا کیا۔ اور کوہستان کے نامزدہ مسٹر یمن احمد پرویز نے اڑنی محافت کا ٹوٹ دیتے ہوئے حلف اٹھا کر ریا من رضا اور اختر سیدی کو ووٹ دینے کا اعلان کیا لیکن جب ووٹ ڈالنے کا وقت آیا تو ان کی مصالحت بیدار ہو کر نقصان طلبی میں ہاتھ مہر و ف ہو گئی۔ ایک دلچسپ اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ انتخاب سے ایک رات قبل جبکہ پریس کلب کے ممبران دوسرے روز سرمایہ دار صحافت کا جنازہ نکالنے والے تھے، لائل پور کے مقامی اخبارات کے مالکان نے اپنے کارکن صحافیوں کو زبانی نوٹس جاری کر دیتے کہ اگر تم نے حافظ اکرام اختر کو ووٹ نہ دیا تو اپنی ملازمت کا کہیں غلام کو جو کہ مسٹر حسن امام نے صحافی حضرات کے یونائیڈڈ تنک میں ملازم افراد کو مختلف ہمانوں سے تنگ کر کے اکرام اختر کے حق میں فضا کو سزاگار بنایا اور جن صحافیوں کے غیر خرید لئے، گئے ان کو ان کے ذوق کے مطابق کتاب و شراب کے علاوہ بھی سامان فراہم کیا گیا اور وہ لوگ تمام رات اپنے اپنے ذوق کی تسکین کرتے رہے اس کے باوجود سہنگسٹ صحافی اس قدر خوف زدہ گئے کہ انہوں نے ایک ہیڈ تڑے سرمایہ دار کے گماشتے کے ذریعہ اختر سیدی کو دس ہزار روپے کی پیش کش کی مگر اس دو رویش صحافی نے دولت کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتے ہوئے شکست کھانا تسلیم کر لیا لیکن اپنا نمبر فروخت نہ کیا، اس طرح لائل پور میں عوام دوست صحافی سرمایہ دار سیاست و صحافت کی سازش سے وقتی طور پر ناکام ہو گئے۔ لیکن تاریخ سے بات کی گواہ رہے گی کہ یونائیڈڈ تنک جب بھی جوانوں سے ٹکر لیتے ہیں تو جوان میں زلزلہ آجاتا ہے۔

بھکر میں ہفت روزہ الفتح

محمد اکرم بیوز ایجنٹ

دیوے روڈ سے حاصل کریں۔

صادقین رباعیات کی منزل پر



چلتی پھرتی زندہ تصویریں دیکھنے والے زیادہ تھے

نعیم آردی

۱۴ اکتوبر کو پاکستان آرٹس کونسل کی عمارت میں ممتاز مصور صادقین کی مصو رباعیات اور بیاض کے دوسرے ایڈیشن کی افتتاحی تقریب تھی۔ وقت ساڑھے پانچ بجے کا تھا۔ ریڑھیوں کے نیچے سحرانصاری، سفید شیرانی میں ملبوس ایک صاحب سے ادب کے کسی ادبی سلسلے پر ایلجے ہوئے تھے۔ حسب معمول ان کے بغل میں انگریزی کتابوں کا ایک بھرم سمٹا ہوا تھا۔ ابھی رسم افتتاح میں دیر تھی ایسے موقعوں پر قصداً شرکت کرنے والے چہرے ابھی لاپتہ تھے۔

ایک صاحب نے بتایا۔ اس تقریب کے دلہا ابھی ملیں ہوئے ہیں ہوں گے۔ جانے پہچانے چہرے وہیں ہوں گے۔

گھڑی کی سوئی پانچ سے آگے بڑھی تو اس تقریب میں شرکت کرنے والوں کی آمد و رفت مستدع

ہو گئی۔ ایک خاتون آئیں۔ بیل باٹم سیاہ چٹے نے ان کی خوبصورت آنکھوں کو ڈھک دکھا تھا۔ پتا لگا نامشکل تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہی ہیں سحرانصاری اور وہ صاحب ابھی تک گھٹم گھٹاتے سحرانصاری وقت سے پہلے پہلے مسئلے کو نمٹانے کے لئے بے چین تھے، جب کہ دوسرے صاحب اس کے لئے تیار نظر نہیں آتے تھے۔ پاکلیٹی رنگ کی ایک کارر کی، سید سبط حسن گاڑی سے آتر کر کونسل کے کتاب گھر کے اندر چلے گئے بیٹھے پر ایک خوبصورت اشتہار چسپاں تھا۔ سورہ مؤمن کا دوسرا خوبصورت ایڈیشن چھپ کر تیار ہو چکا، اب گھڑی ساڑھے پانچ بج رہی تھی۔ لوگ بڑی تعداد میں پہنچ چکے تھے۔

ایک صاحب نے کہا صادقین خاصے مقبول ہیں۔ کافی لوگ پہنچ گئے۔

”مگر صادقین صاحب میں گہاں۔“

”وہاں سے چل چکے ہیں۔ بس پہنچنے والے ہیں

کسی نے اطلاع دی۔

ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک سفید رنگ کی گاڑی آرٹس کونسل کی عمارت میں داخل ہوئی۔ اور اس میں سے صادقین، عرفان حسین کے ساتھ بچے اترے

یہ گاڑی کس کی ہے؟“

”اتنا جانتا ہوں کہ صادقین کی نہیں ہے۔“

تو پھر قیفاً آرٹس کونسل کے سیکرٹری عرفان حسین کی ہو گئی۔“

چند لمحوں کے بعد اس تقریب کے دلہا یعنی مصور صادقین کی قیادت میں برائیوں کا بھرم پہلی منزل کی طرف چلا تو میں نے حاکم دیکھا۔ نیچے سید سبط حسن داہانہ انداز سے ذوالفقار علی بخاری سے گلے مل رہے تھے۔ دل کی دلیاریں پر صادقین کی مصو رباعیات، نگ ہوئی تھی۔ انہوں نے شعر بھی کہے تھے کھا بھی خود ہی تھا اور ان کے اسٹیج بھی بنائے تھے۔ ہال کے فرش



مولانا مہر القادری

بیگم سروری عرفان اللہ

اور اداکارہ ریشماں میں

قدر مشترک - صادقین



وہ کہ جو کیا نور سے میرے
مقل ہیں وہ اپنا کیا ترسے میرے
جناؤں کا کرنے کے لئے استقبال
چراغ کی خوش بگڑ سے میرے

مقل میں رسالت کا تراز میرے
گیا۔ تو ہم کہ رسول کا میرے
قاضی نے میری آخری خواہش ہو گئی
تو حق جلد و کر چڑھ گیا میرے

مقل میں وہ میری نذر جاکر ہو چھو
ماضی کا وہ آتے باغ جاکر ہو چھو
جلاوٹ سے اس کی توفیق کر لو گے
سناکتا میں سخت جان جاکر ہو چھو

جلاوٹ یہ ایسا ہے گوارا ہم کو
سہا تا ہے یہ قتل کا ظرا ہم کو
تو سایہ خجندیہ سے پھٹا ہے
وہ راز کو گرد سے سہا پلا ہم کو

پہ رنگ و لہو کی ایک جیتی جاگتی دنیا یہ رہی تھی
ہوئے ہوئے مدغم مدغم روشنی میں ڈوبی رنگ
روغن لب اشک، خازنوں بیل بائیں بائیں رنگ
ان پریم کی ایک ایسی دنیا جس کا عام زندگی سے
دور کا واسطہ نہیں۔

صادقین دو دروازے کے قریب ہی کھڑے
تھے ایک دروازے کی طرف رہنے کے ساتھ
رباعیات صادقین، اور بیاض صادقین، فروخت
کر رہے تھے۔ ایک غیر ملکی نے ان سے پوچھا کیا
آپ ان کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟
صادقین نے کہا ”رباعیات اور بیاض کا پیٹر
رائز اور کیلی گرافٹ ہوں؟
”ان کا مرکزی خیال کیا ہے؟“

”رباعیات پر مبنی تصاویر جدید موضوعات
پر ہیں۔ کچھ میں صرف لائٹوں کی مدد سے مفہوم
اور مطلب بیان کیا گیا ہے۔ صادقین نے جواب دیا۔
انہوں نے رباعیات اور بیاض خرید لی۔
مال کے دروازے کے پاس ہی دریا فکار
صہبا لکھنوی بیاض کھوسے صادقین پر داد کے
ڈونگے پر بارہے تھے۔ کچھ لوگ، مگر بے ہوش
پتلی چھرتی زندہ تصویروں کو پرکھنے اور تعریف
کرنے میں زیادہ سرگرمی دکھا رہے تھے۔ ایک
طرف مشرقی پاکستان کی ممتاز فلم اسٹار ریشماں
ایک صاحب کو ایک بڑی سی پیگ بھجوا رہی تھیں
وہ نوجوان صاحبزادے جن کا فیضی دروازے میں
رکھے تھے، ان کے عقب میں کھڑے ہوئے گاڈ کے
بنائے ہوئے شاہکار کی داد دے رہے تھے۔ بھجاری
صاحب ایک بے صلا سلاٹ نوجوان سے مسکرا
کر باتیں کر رہے تھے صادقین کے گرد سو لوگوں اور

بیل بائیں کا جھوم لگا ہوا تھا۔ اتنے میں کسی صاحب
نے دھیرے سے کہا ”جماعت اسلامی بھی آگئی۔
میں نے مڑ کر دیکھی تو مولانا مہر القادری نظر
آئے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے جماعت
اسلامی کے ترجمان روزنامہ جبارت نے انہیں اپنے
صفحات پر بلگے دے کر ان سے زبردست انتقام
لیا ہے۔ اچھے خاصے مصور کے بارے میں کہا جانے
لگا۔ اگر جماعت اسلامی نے صادقین کو نازنے کا
سلسلہ جاری رکھا تو لوگ ان کی نمائش میں جائے گا
اور لوٹا ساتھ لے کر آیا کریں گے۔

مولانا مہر القادری ایک جگہ کھڑے ہوئے۔ ربا
پڑھ رہے تھے۔

آیا ہوں نمائش میں ہیں دیکھوں گا
جتنے بیاض آئے ہیں حسین دیکھوں گا
تصویریں جہاں گھوم رہی ہوں زندہ
کاغذ کی میں تصویر نہیں دیکھوں گا
ایک سرو قد خاتون مال میں داخل ہوئی تو
ساری نگاہیں ایک دم سے اٹھ گئیں بڑے ناز و
انداز سے چلتی ہوئی ایک جگہ ٹھہر گئیں اس جگہ سے
پہلیں تو میں ربا می پڑھنے کے مشوق میں اس جگہ پہنچ
گیا۔

کس ناز سے نازوں کی پل آئی ہے۔
بن کر وہ یہاں نقش چلی آئی ہے
شاؤد کوئی تصویر یہ ہے زندہ ہو کر
غاروں کے اجٹا سے چلی آئی ہے
نمائش میں بیگم سروری عرفان اللہ بھی نظر آئیں
کسی کالم نویس کا شوخ لڑکا اندر گھس آیا تھا اس نے
قدر سے بلند آواز میں ربا کی کا شعر پڑھ ڈالا۔
اسے شوخ محبت ہے ضرورت کے لئے
تیری ہے ضرورت میری خلوت کے لئے
شہر بار جلسوں دیکھنے میں ایشیا کا جامہ لگتا
ہے، مگر بالی وڈ کی ایکٹنگ پیکڈ فلموں کا زبردست
ملاح ہے کسی غیر ملکی دوست سے گفتگو کر رہا تھا۔
میں قریب پہنچا تو وہ صاحب کہہ رہے تھے۔
Are you unmarried?
Yes.
Then go, meet her and enjoy
yourself.
وہ غلوں سے مشورہ دے رہے تھے۔

اس جگہ فیض احمد فیض بھی تھے۔ فیض صاحب
دوسرے فن کاروں کی حوصلہ افزائی میں ہمیشہ
باقی صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمائیں



قارئین کہتے ہیں

رکھا ہر لہجے میرا رسم الخط سندھی ہے اگر کوئی لفظ
یا جملہ غلط ہو گیا ہو۔ تو بڑھ کر اسے صحیح پڑھ لیں۔
محمد سومار ارباب۔ ٹنڈو الہ یار

بچپن کا صفحہ شروع کیا جائے ورنہ ...

ٹیلی ویژن اور چربہ سازی

عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ چربہ سازی کا لغت
صرف ٹیلی دنیا تک ہی محدود ہے۔ لیکن اب ٹیم سرکاری
اور سرکاری ادارے ٹیلی ویژن ڈسٹرکٹ اور ریڈیو ایس
جم کے مضامین پر بھی ہیں ٹیلی دنیا کے معلق یہ کہہ
کر کہ وہاں صرف ان پر محدود یا معمولی پڑھے لکھے لوگ ہوتے
ہیں ہم اپنے آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں یا یہ سوچ کر کہ
فلمی فنکاروں کی بوس میں ملکی اور قری اور سب
سے بڑھ کر ذاتی رفتار اور عزت نفس کا خون کر رہے
ہیں ہم خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن ٹی وی اور
ریڈیو جیسے قری اوروں میں جب چربہ سازی کا
عبور نہ چتا ہوا نظر آتا ہے تو بے اختیار دماغ گھٹکتا
ہے کہ ”خدا اسی ملک کی حفاظت کرے۔“

ابھی چند دن پہلے علی احمد صاحب کے نام سے
ایک ڈرامہ پیش کیا گیا جس کا نام تھا آپریشن ملوہ
پوٹری، ناظرین کے ذہن میں کراچی ٹیلی ویژن پر پیش
کی گئی ایک فلم دی لاگت دی شارٹ اینڈ دی ٹال
کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگر آپریشن ملوہ پوٹری اور اس فلم
کا موازہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپریشن ملوہ پوٹری
ہو بہر ایک چربہ ہے۔ صرف امریکن اور جاپانی کرنا
کو ہندو بنانے پر اکتفا کیا گیا۔

اس کی دودھ جوہر ہوسکتی ہیں پہلی یہ کہ ٹی وی
کے فنکار اپنے مخصوص لکھنے والے کا معاون نصف
نہیں کرنا چاہتے تھے دیکھیں یا تبجے میں معاونہ
نصف ملتا ہے، یا وہ اس قدر لاعلم اور غیر ذمہ دار
ہیں کہ انہیں اسی چوری کی خبر ہی نہ ہوئی۔ بہر حال،

بچپن کی طرف سے مظاہرے کی دھمکی

مذہب ہم اپنے بڑوں کو بھی مجبور کریں گے کہ وہ افح
خریدنا بند کر دیں اور ہم بچے مل جل کر آپ کے
دفتر کے سامنے مظاہرہ کریں گے۔

فرخندہ محمود

قاسم محمود اور سلیم محمود

منظفر حسین اکبر حسین جاوید حسین

احسن حسین (شاہدہ نفیس)۔ حسنہ

رانی، صفیہ۔ نویس (کراچی)

ہم آپ کا ہفت روزہ افح ہر پختے بڑے
مشوق سے طریقے ہیں لیکن اس میں کوئی ایسا صفحہ
یا مضمون نہیں ہوتا جو ہم جیسے لاکھوں بچوں کے
پڑھنے کے لئے ہوا و جس میں ہم دل چسپی لے سکیں
ہم نے اپنے بڑوں سے افح کی بہت تعریف
سنی ہے لیکن ہمیں اس کا کیا فائدہ کیوں کہ ہمیں
ہمارے لئے کچھ نہیں ہوتا آپ سے ہمارا مطالبہ
ہے کہ آپ اس میں فوراً بچوں کا صفحہ شروع کریں

اخبار نویس اور مزدور کسانوں کے مسائل

اخبار جلال پاکستان نے حقوڑی سی ہمدردی دکھائی
کافی عرصہ کرنے کے بعد آپ سے رابطہ پیدا کرنے
کا خیال آیا۔ کیونکہ مجھے حقیقت میں صرف آپ کا رسالہ
صحافتی اصولوں پر چلتا ہوا نظر آیا۔ میں آپ کو
یہاں کے مسائل سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ اس کا
کوئی معاونہ نہ ہو گا۔ ویسے میں طالب علم ہوں اور
مزدور بھی تمام کم ایک ماٹے کالج میں پڑھتا ہوں
اور صبح مزدوری کرتا ہوں۔ مجھے سرمایہ داروں سے
نفرت ہے شدید نفرت اپنے آپ کو مظلوم اس لئے نہیں
کہنا کہ دراصل مظلومیت کے شکار یہاں کے
مزدور اور کسان ہیں۔

سلام ہے۔ ان کسانوں اور مزدوروں کو
جنہوں نے اپنے غم سے اس ملک کا وجود قائم

سب سے پہلے میں آپ کو مبارکباد دوں کہ
آپ نے صحیح معنوں میں یہاں کے مظلوم عوام
کی ترجمانی کے لئے رسالہ نکالا میں افح کا پرانا
”قاری ہوں۔ اور بلا فائدہ پڑھتا ہوں ہمارے
شہر میں چند صحافی، بھی موجود ہیں مگر وہ آپ جیسے
نہیں ہیں وہ ہماری باتیں نہیں لکھتے ہمارے شہر
میں بے پناہ مسائل ہیں۔ یہاں پانچ کالٹ فیکٹریاں ہیں
ایک مشورہ مل ہے ان میں کام کرنے والے مزدوروں
کے مسائل بھی توجہ کے مستحق ہیں۔ بار بار ان اخباری
فائدوں سے کہا گیا مگر ان کے کالوں پر جو تک
نہ رہی۔ میں نے براہ راست اخباروں کو لکھا،
مگر وہی ڈھاک کے تین پات، محنت کشوں کے
مسائل اخبارات میں جگہ نہ پاسکیں سینیٹ پارٹی کے

دوڑوں صورتوں میں کراچی ٹیلی ویژن مجرم ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ۱۷۲۷ پر کسی پڑھے لکھے دیانتدار شخص کو بھی رکھ دیا جائے۔

ریڈیو اس سلسلے میں بی بی سی سے بھی دو واٹر آگے ہے۔ تعلیم احماد ریاض فرشتوری صاحبان جو کراچی ریڈیو کے مشہور لکھنے والے ہیں اپنے اکثر ڈراموں کے مرکزی خیال فیملی تخلیقات سے لیتے ہیں اور اکثر اوقات ان کی حقیقت ایک جھوٹا ترجمہ اور اچھا چرہ ہوتی ہیں۔

بی بی سی کوک کا مشہور ایک ایکٹ کا ڈرامہ "ان کا لٹی ڈیس" بڑے فخر سے سلیم احمد صاحب کے نام سے نشر کر دیا گیا۔

سبلی لائر ایک مشہور کامیڈی لفظ لفظ ایک مشہور کامیڈی لفظ لفظ ترجمہ کر کے شب بلبلیں میں پیش کیا گیا۔ اور اس دفعہ اس پر چروں کے ماہر ریاض فرشتوری صاحب کا نام تھا۔ اردو میں اس کا نام "میرزا وار رکھا گیا"۔

اس میں شک نہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کارپردازگان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جن مجبور لوگوں کی وجہ سے کچھ لوگوں کو ہمیشہ نوازتے رہیں لیکن ان نام نہاد لکھنے والوں کو کیا ہو گیا ہے اگر ان کے ذہن اتنے بھر ہیں کہ وہ کسی تخلیقی کام کی اہلیت نہیں رکھتے تو پھر خدا اصل لکھنے والوں کا نام تو بتا دیا کریں

سمت داحمد

بقیہ : کراچی کی ڈائری

پیش پیش رہتے ہیں وہ فن کار جو ادارہ فن کاروں کے جذبات سے بخوبی آگاہ ہیں انہیں دیکھ کر لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان کا آؤ گراف لینا شروع کر دیا وہ اپنے شعروں کی طرح مسکراتے ہوئے سادہ ترین کی طرت جڑھ گئے

بی بی سی - آج کے رد ہوا تو سادہ ترین ہی تھے

بقیہ : ظاہری خبریں اندونی کہانیاں

کہہ چکے ہیں کہ بامیں بازو والے نہ پاکستانی ہیں۔ مسلمان جب وہ بامیں بازو والوں کو نہ پاکستانی

سمجھتے ہیں نہ مسلمان ظاہر ہے دشمن سمجھتے ہیں، اس لئے وہ انہیں ہلاک کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ان کے رضا کاروں نے وطن دشمن اینٹوں کا ہلاک کر دیا ہے تو ظاہر ہے وہ یہی اترن کرتے ہیں۔

پروفیسر غلام اعظم کا پیلز پارٹی کو یہ مشورہ کہ وہ مشرقی پاکستان سے دور ہیں اس خوف کا احساس ہے کہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے بامیں بازو والوں کے پارسیانی سطح پر اتھا دے جماعت اسلامی بے نقاب ہو کر رہ جائے۔ یہیں معلوم ہے کہ وائیں بازو کی جاعتوں کے اس وقت منصوبے یہی ہیں کہ کسی طرح مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں وہ بلا مقابلہ منتخب ہو جائیں اس اکثریت کے بل پر وہ مرکزی حکومت میں آجائیں یہ مصنوعی اکثریت صرف اس لئے قائم کی جا رہی ہے کہ عوام محروم رہیں عوام کے خلاف یہ گٹھ جوڑ پہلے بھی قائم

کئے گئے اب بھی قائم کئے جا رہے ہیں وائیں بازو کے لیڈروں کا یہ خیال کہ مشرقی پاکستان کی کامینڈ کے وزرا اہر حال وزرا رہیں گے۔ انہیں صرف منتخب ہونے کا تکلف کرنا ہے، جیسے ایوب خان کے دور میں وزیر پہلے جاتا تھا۔ اسے منتخب بعد میں کر دیا جاتا تھا۔ وائیں بازو کی جاعتوں کا خیال ظاہر ہے انتظامیہ کی یقین دہانی کے بغیر نہیں ہے وہ مغربی پاکستان میں بھی اور مرکز میں بھی اس قسم کی حکومیتیں قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اقتدار پھیر لڑی سیاہ طاقتوں کے پاس رہے، جن کے پاس پتہ رہا ہے اگر یہ اور دوسری مغربی طاقتوں کی بریفنگ بھی یہی ہے۔ پورے ملک کے کاروبار کو امن کیٹیوں کے ذریعے چلانے کا یہ منصوبہ نہایت خطرناک ہے اس لئے نتائج انتشار کی صورت میں ہی رونما ہوں گے۔

پیکنگ سے شاوشان تک : صفحہ ۲۴ سے آگے

روشن فلیٹوں کی طرف دیکھا۔ بالکونیوں پر رنگ برنگے پھولوں کے گلے سجے ہوئے تھے۔ رسیوں پر کپڑے جھول رہے تھے۔ کھڑکیوں سے بہت سے مسکراتے چہرے ہلالی طرف جھانک رہے تھے۔ انقلابی کمیٹی کے اراکین ہاتھ ہاتھ ملاتے ہوئے رخصت کر رہے تھے کسی فلیٹ میں سے ریڈیو پر موزوں کا بین الاقوامی ترانہ انٹرنیشنل بچ رہا تھا۔

چھی لائے جی ہاں جو چھوٹی فونی
چھی لائے چھوان شرچے شو کھوٹی ژن
مان چھانگ تی ژر شوئے ای چھانگ و فٹنگ،
یاوے لاجنگ لی اڑ تو چین

چو شرچے تا کاو خوار لیو شوئے، فونی من، چھی
لئے، چھی لائے۔
چیاو شو وومن ای او شو لیو، وومن یاو چو تیان
شیا تا چو ژن!
چے شرچوئے تو تا تو چھانگ، تھوان چے جی لائے
تاو منتھان۔

انٹرنیشنل جیو ای تنگ یاو شرچو شین
(اٹھو! فاقہ کش، بد منسو،
انٹونو دنیا بھر کے منگولوں)

وہ اہار کے ساتھ ہمیں سگریٹ پینے کی ترغیب دینے لگے انہوں نے تباہی کا بھی ہمیں اپنی جادو جہد جاری رکھنی ہے ہم چین میں ماؤ کی قیادت میں انقلاب کو پائیدار بنانے تک پہنچا کر ہمیں گامی ہمیں اپنے بہت سے مسائل حل کرنے ہیں۔ اب بھی بہت سے کشتی بان کشتیوں پر رہتے ہیں، ابھی بلڈنگوں کی کمی ہے۔ پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس کشتی پر رہنے کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس میں ان بے چاروں کا کوئی تصور نہیں ہے وہ برسوں سے پانی میں رہتے آئے ہیں اور اس کے عادی ہو گئے ہیں، خاص طور پر مضامین کے کشتی بانوں کو کشتی پر رہنے کی ترغیب دی جا رہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ کشتی میں رہنے سے بہت سے مسائل کا انہیں سامنا کرنا پڑے گا۔ روزانہ کشتی تک آنے جانے کا بھڑا کون برداشت کرے گا شاید چین ہی ایسا ملک ہے جہاں اتنی انکساری اور صاف گوئی کے ساتھ مسئلے کے مثبت اور منفی پہلو ایک ساتھ پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ کبھی اپنی کامیابیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا جاتا۔ واضح الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ چین ابھی اپنی ترقی کی منزل میں ہے، وجہ یہ ہے کہ صرف اور صرف انہیں اپنے آپ پر پورا اعتماد ہے۔

جب ہم انقلابی کمیٹی کے دفتر سے باہر نکلے تو باہر بچوں اور بوڑھوں کا ایک بڑا ہجوم ہمارا منتظر تھا۔ انہوں نے اور زور سے تالیاں بجائیں۔ اور ہم نے ایک ایک بچہ کشتی بانوں کے



پاکستانیوں سے بہتر امیدیں -
اور جامعہ سے بہترین توقعات -

جامعہ

پٹرولیم کی صنعت میں
اولین پاکستانی ادارہ

جملہ صنعتی ضروریات کے لئے خصوصی پٹرولیم
ڈسٹریبیوٹن بنانے والا سب سے بڑا ادارہ -



افواجِ پاکستان کو ڈسٹریبیوٹن اور گریس کے
سب سے بڑے سپلائر -



ڈائریکٹوریٹ آف انوسٹمنٹ پروموشن اور
سپلائر کی پٹرولیم ڈسٹریبیوٹن اور گریس کی جملہ
ضروریات کے سب سے بڑے سپلائر -



21-28, OCTOBER-1971

